ذکر خیر

یعنی

سیدہ خیر النساء صاحبہ بہتر مرحومہ (بنت حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ)
کے حالات زندگی، ان کی تعلیمی و تربیتی خصوصیات، ذکر و عبادت، دعا و مناجات
کے شوق و انہماک کے واقعات، جو عورتوں، مردوں، بیبیوں اور بچیوں سب کے لئے
یکساں مفید اور سبق آموز ہیں۔

مرتبہ

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ناشر، فضل ربی ندوی — فون: 611817
مجلس نشریات اسلام — ناظم آباد مینشن، ۱/K/۳ - ناظم آباد ۱ — کراچی ۱۸

بارِ سوم — ۱۳۹۷ھ — ۱۹۷۷ء

نام کتاب ———— ذکرِ خیر

مصنف ———— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کتابت ———— ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ———— تنویر پروسیس کراچی

صفحات ———— ۱۶۰

تعداد ———— بارہ سو

قیمت ———— آٹھ روپے

ناشر

فضلِ ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام

۱/کے-۳۲- ناظم آباد مینشن ناظم آباد نزد برف خانہ

کراچی ۱۸

فہرست مضامین

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي

لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن

ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ

پیش لفظ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

والدہ صاحبہ مرحومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ نے ۶ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ
۳۱ر اگست ۱۹۶۸ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی، ان کی ہستی نہ صرف ان کے محدود خاندان، بلکہ اس نسل کی مسلمان بچیوں اور بیبیوں کے لئے ایک قابل تقلید مثال، اور عہد ماضی کی (جو بڑی خیر و برکت کا دور تھا) پاک نہاد اور نیک سیرت، خدا ترس، اور خدا پرست مسلمان خواتین، اور صالحہ قانتہ بیبیوں کی سچی یادگار تھیں، ان کا پختہ ایمان و یقین، خدا کی محبت، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا شوق، اپنے اور اپنی اولاد کے بارے میں دین کو دنیا پر کھلی ترجیح، دنیا کی دولت و عزت، اور زیب و زینت سے اعراض زہد و قناعت، دعا و مناجات کا عشق، دعا کے اثر و قبولیت، اور کلام الٰہی، اور اذکار نبوی کے خواص و اثرات پر یقین، اور انھیں چیزوں کو مقاصد کے حصول، اور دین و دنیا کی سعادت و کامیابی کا

ذریعہ، اور ہر قفل کی کلید سمجھنا، دعا کا سوز و گداز اور نمازوں کا راز و نیاز، دین اور اہل دین کی عزت و وقعت کا ریشہ ریشہ میں سما جانا، اور مزاج بن جانا، زمانہ سلف اور تاریخ اسلام کی ان بلند مرتبہ خواتین کی یاد تازہ کرتا تھا جن کے واقعات، تذکرے، اور سوانح کی کتابوں میں لکھے اور پڑھے جاتے ہیں، ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ جب شر و فتن کے اس دور، اور مادیت و غفلت کے اس زمانہ میں قوت ایمانی اور دینداری کے ایسے نمونے پائے جا سکتے ہیں، تو قرون اولیٰ، اور اسلام کے مرکزوں میں ان مسلمان خواتین کا کیا حال ہوگا جنھوں نے تعلیم و تربیت کے بہترین ماحول میں پرورش پائی تھی، ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان صالحات، قانتات، اور عالم و فاضل بیبیوں کے متعلق جو کچھ مستند کتابوں میں حالات آئے ہیں، اس میں ذرا بھی مبالغہ، اور افسانہ طرازی نہیں۔

والدہ صاحبہ کے انتقال کے دو مہینے بعد ہی ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ کا (بابت نومبر دسمبر ۱۹۶۸ء مطابق شعبان و رمضان ۱۳۸۸ھ) خاص شمارہ شائع ہوا، جو ان کے حالات واقعات زندگی، اور ان کے کلام و تصنیفات کے تذکرے اور تبصرے پر مشتمل تھا، مسلمان خواتین کا یہ رسالہ انھیں کے خاندان کے افراد کی ادارت میں نکلتا ہے، اس کے مدیر ان کے حقیقی نواسہ مولوی سید محمد ثانی حسنی سلمہ، اور معاون مدیر مرحومہ کی صاحبزادی، میری ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ہیں، یہ شمارہ بڑے سائز کے ۹۶ صفحات پر مشتمل تھا، اس کی تحریر و ترتیب میں انھیں کی اولاد، اور ان کے خاندان کے افراد نے حصہ لیا تھا، جو ان کے حالات و کمالات، مشاغل و معمولات سے سب سے زیادہ واقف، اور ان کے

چشم دید گواہ تھے، "رضوان" کا یہ نمبر بہت مقبول ہوا، اور تھوڑی ہی مدت میں نایاب ہو گیا، بہت سے لوگوں نے اس کو ایک کتاب کی طرح محفوظ کر لیا، اور بہت سے شائقین اس کی فرمائش اب بھی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو مہیا نہیں کیا جا سکتا، شائقین اور قدردانوں کے اس شوق و تلاش کو دیکھ کر، اور خود بھی اس کی افادیت اور اثر کا تجربہ کر کے یہ خیال ہوا کہ اس کو مستقل کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو اور وہ ایک کتاب کی طرح گھروں اور کتب خانوں میں محفوظ ہو جائے، اب جبکہ مرحومہ کے منتخب دعائیہ کلام کا مجموعہ (جو ان کی زندگی میں اولاً "باب رحمت" اور بعد میں "کلید باب رحمت" کے نام سے دو حصوں میں شائع اور مقبول ہو چکا تھا) شائقین کے شوق و تقاضے سے "کلید باب رحمت" کے نام سے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے، یہ شمارہ بھی نظرثانی اور انتخاب اور حذف و اضافہ کے ساتھ "ذکر خیر" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے، اس میں سب مضامین ان سے قریبی تعلق رکھنے والے، اور رات دن کے دیکھنے والے افراد خاندان کے قلم سے ہیں، اور یہ سب "رضوان" کے خصوصی شمارہ میں شائع ہو چکے ہیں۔

امید ہے کہ یہ مجموعۂ مضامین جو "ذکر خیر" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے، قدر کے ہاتھوں سے لیا جائے گا، اور شوق کی نگاہوں سے پڑھا جائے گا، اور اس سے اپنے اندر اچھے اثرات اور کیفیات پیدا کرنے، اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے کام میں مدد لی جائے گی، کتاب کے پڑھنے والوں، اور پڑھنے والیوں سے امید ہے کہ مرحومہ کے لئے مغفرت، اور رفع درجات کی دعا کی جائے گی، اور ان کی اولاد، اور افراد خاندان

کو بھی اس دعا میں شریک کیا جائے گا۔

واللہ ولی التوفیق

ابوالحسن علی ندوی

۷ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ

۲ مارچ ۱۹۷۴ء

حالاتِ واقعاتِ زندگی

مولانا ابوالحسن علی ندوی

حالات وواقعاتِ زندگی

حضرت شاہ ضیاء النبیؒ

میرے نانا حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ..... کی ساتویں پشت میں ہیں، جو اپنے زمانہ کے اولیائے کاملین میں تھے، اور نہایت متبع سنت اور حامیٔ شریعت بزرگ[1] تھے۔

---

[1] حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوری کے ممتاز خلفاء میں تھے آپ نے ۱۰۹۶ھ میں رحلت فرمائی انھیں کے نام سے رائے بریلی شہر کے باہر لب دریا ایک نئی بستی "دائرہ شاہ علم اللہ" کے نام سے مشہور ہوئی آپ کی پانچویں پشت میں ہندستان کے مشہور مجاہد اور مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ ہوئے ہیں، شاہ صاحب کا تذکرہ مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" اور راقم کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" میں دیکھا جا سکتا ہے

حضرت شاہ ضیاء النبیؒ صاحب بڑے پایہ کے بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی و دنیوی دولتیں عطا فرمائی تھیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلے میں آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی، مریدوں میں بڑے بڑے عالم اور بزرگ شامل تھے، ان کو جو دیکھتا اس کو یہ محسوس ہوتا کہ اللہ نے ان کو صرف اپنی یاد اور آخرت کی تیاری ہی کے لئے پیدا کیا ہے، ان کی نماز خاندان اور قرب وجوار میں ضرب المثل تھی، نماز کی نیت باندھ کر ان کو دنیا ومافیہا کی خبر نہیں ہوتی تھی، آخر عمر میں رعشہ ہو گیا تھا، چلتے تھے، تو ہر قدم پہ یہ خیال ہوتا تھا کہ اب گرے اب گرے لیکن جہاں صف میں کھڑے ہوئے اور امام نے تکبیر کہی تو پھر معلوم ہوتا تھا کہ ایک ستون کھڑا ہوا ہے جس کو جنبش نہیں، کبھی کبھی شبینہ میں شرکت کی اور پورا قرآن شریف کھڑے ہو کر سنا، اچھے اچھے نوجوانوں کو دیکھا گیا کہ کوئی تھک کر بیٹھ گیا، کوئی سلام پھیر کر الگ ہو گیا، اور کوئی چکرا کر گر گیا، مگر وہ ہیں کہ جیسے کسی نے کوئی لکڑی گاڑ دی ہے کہ اپنی جگہ کھڑی ہے، ایک نماز پڑھ کر بس دوسری نماز کے انتظار اور شوق ہی میں رہتے، صحبت میں ایسی تاثیر تھی کہ جو شخص چند دن ان کے حلقہ میں بیٹھا اس کو بھی نماز اور اتباع سنت سے شغف ہو گیا، اور وہ بھی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار واشتیاق میں رہنے لگا، بڑے بڑے واقعات ہو جاتے، ان کے سکون، اللہ کے ساتھ تعلق اور مشغولیت میں کچھ فرق نہ آتا، جوان اور صاحب اولاد بیٹی کے انتقال کی خبر آئی، تلاوت کر رہے تھے، ایک بار "اِنَّا لِلّٰہ" پڑھی پھر مشغول ہو گئے۔

ان کو اپنے والد سے بہت بڑی جائداد ترکہ میں ملی تھی، کئی مسلم گاؤں تھے،

جن میں صرف وہ اور ان کے بڑے بھائی سید رشید الدین صاحب مرحوم شریک[1] تھے، ابتدائی انگریزی عملداری کا زمانہ اور ارزانی اور اشیاء کی فراوانی کا دور، ہر طرح کی فراغت اور فراخی حاصل تھی لیکن ان کو عبادت الٰہی کے علاوہ صرف ایک ہی چیز کا شوق تھا، وہ دینی کتابوں کا، جہاں کہیں کسی دینی کتاب کا اشتہار دیکھا فوراً فرمائش روانہ کی اور پھر اس کے انتظار میں دن گننے لگے، یہ شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ کسی کتاب کا انتظار تھا اور کسی صاحبزادی یا عزیز قریب کی تدفین میں شریک تھے، اپنے چھوٹے صاحبزادے حافظ سید عبید اللہ صاحب سے کہا کہ "عبید! ابھی تک وہ کتاب نہیں آئی؟ لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس موقع پر بھی ان کا دل کتاب میں لگا ہوا ہے، اور یہاں بھی ان کو اسی کی فکر ہے، جائداد کے انتظام سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا، جب تک بڑے بھائی زندہ رہے وہ جزوکل کے ذمہ دار اور مختار تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے اور نانا صاحب کے بڑے بھتیجہ مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم منتظم اور ذمہ دار قرار پائے، نانا صاحب کو صرف کتابوں کی خریداری کے لئے رقم کی ضرورت رہتی تھی یا اپنے چھوٹوں کو کچھ دینے لینے کے لئے" باقی ان کا کوئی خرچ نہ تھا، باوجود اس کے کہ جائداد کی ہزاروں روپیہ کی آمدنی تھی، لیکن وہ صرف دس روپیہ ماہوار لیتے تھے۔

مریدوں کے معاملہ میں بھی یہاں حساب الٹا تھا بجائے اس کے کہ عام پیروں کی طرح وہ شہروں کا دورہ کریں اور مریدوں کے یہاں جائیں اور ان سے نذر انے

---

[1] کوئی ہمشیرہ نہیں تھیں۔

وصول کریں، مریدین (جن میں امرار، غربار اور علمار و عوام ہر طبقے کے لوگ ہوتے تھے)
ان کے یہاں ہفتوں، مہینوں مہمان رہتے، کبھی شاذ و نادر اگر کہیں جانا ہوتا تو جونپور
جہاں ان کے ایک محبوب مرید مولوی مکّی صاحب[1] رہتے تھے، تشریف لے جاتے، والدۂ مرحومہ
فرماتی تھیں کہ "میاں" مولوی مکی صاحب کے آنے سے سب سے زیادہ خوش ہوتے
تھے، ان کے آنے سے بڑی رونق اور چہل پہل پیدا ہو جاتی تھی، ان کو اور ان کے
سارے خاندان کو نانا صاحب سے بڑا تعلق تھا، اور یہ تعلق آخر آخر تک قائم رہا۔

خاندان کی بیبیاں

وہ زمانہ بھی بڑی خیر و برکت کا تھا، بزرگوں کے اثرات خاندان میں پورے طور پر
موجود تھے، نانی صاحبہ (میری والدہ کی والدہ) بڑی راسخ العقیدہ خوش اوقات
صالحہ عابدہ، اور بہت فہیم و زیرک بی بی تھیں، چھوٹی عمر میں ان کی شادی ہوگئی تھی،
نانا صاحب نے ان کو مزید تعلیم دی، دینی کتابوں کا مطالعہ ان کا اس زمانہ کے رواج و
معیار کے لحاظ سے دوسروں سے زیادہ تھا، لوگ اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے،

---

[1] اصلی نام ابو الخیر تھا مکہ کرمہ میں ولادت ہونے کی وجہ سے مولوی مکی مشہور تھے، ان کے والد
حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری اپنے زمانہ کے جید عالم اور مشہور مدرس اور حضرت سید
احمد شہیدؒ کے خلیفۂ خاص تھے، مولوی مکی صاحب کے نامور صاحبزادے مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی
عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ناظم دینیات رہے۔

ان کی رائے بہت وقیع سمجھی جاتی تھی، اس زمانہ میں خاندان میں دو بیبیاں اپنی تعلیم
دینی واقفیت اور عقل و شعور میں ممتاز سمجھی جاتی تھیں، ایک میری نانی صاحبہ، دوسری
میرے دادا مولوی حکیم سید فخرالدین صاحبؒ کی والدہ فاطمہ بی بی جو مولانا محمد ظاہر صاحبؒ
خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) کی صاحبزادی تھیں، اور رشتہ میں میری والدہ کی
پھوپھی ہوتی تھیں، ان کے متعلق میرے دادا مولوی حکیم سید فخرالدین صاحبؒ "تذکرۃ الابرار"
میں لکھتے ہیں:

"میری والدہ ماجدہ اپنے والد بزرگوار کی تربیت یافتہ تھیں، ابتدائے
شعور سے وفات تک فرائض و سنن کے علاوہ اوابین، چاشت، اشراق
شش عید، عشرہ محرم، ذی الحجہ اور دیگر ایام کے روزے ان کی زندگی کے
معمولات میں داخل تھے، نیز تلاوت قرآن، فقہ و حدیث کی کتابوں کا مطالعہ
دلائل الخیرات، حزب الاعظم، حزب البحر اور دوسری کتابوں کا ورد پورے اہتمام
سے تھا، اس کے علاوہ ترجمہ مشارق الانوار و مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ
ضمان الفردوس، حکایات الصالحین، طب احسانی، طب نبوی، معدن الجواہر
شفار، رسالہ خوان نعمت و مونس جواہر وغیرہ بھی برابر مطالعہ میں رکھتی تھیں۔

امور خانہ داری، حسن انتظام، کھانے پکانے کا سلیقہ اور عورتوں اور
چھوٹے بچوں کے علاج و معالجہ میں بھی ان کو بہت ملکہ تھا، اعزہ کے ساتھ
حسن سلوک اور محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری، اصابت رائے

وجاہت ورعب اور اطمینانِ قلب میں اللہ نے ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔

والدہ صاحبہ کے لئے جو کھلائی (اتّا) مقرر کی گئیں وہ خود بڑی خداترس، نیک سیرت اور عبادت گزار عورت تھیں، نام تو معلوم نہیں کیا تھا، عرفیت جو آ تھی، والدہ صاحبہ ان کی نیک دلی اور خداترسی وعبادت کے شوق کے بہت تذکرے کرتی تھیں، اس زمانہ میں شرفا مین عام دستور تھا (اور ہمارے خاندان میں تو بہت رواج تھا) کہ دوسرے خاندانوں کی ایسی سن رسیدہ اور بیوہ عورتیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہوتا یا جن کو خدا کی یاد اور ذکر وعبادت کا خاص ذوق ہوتا وہ اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھروں میں سکونت اختیار کرلیتیں، اور اپنی بقیہ زندگی شرافت ووضعداری کے ساتھ یادالٰہی اور آخرت کی تیاری میں گذار دیتیں، ہمارے خاندان کے تقریباً ہر گھر میں ایسی شریف بیبیاں اور بوڑھیاں سالہا سال سے مقیم ہیں، لیکن ہمارے نانا صاحب اور ان کے بھائی صاحب کے گھر میں جو خاندان کا سب سے آسودہ حال اور صاحب حیثیت گھر تھا، ان نیک بندیوں کی آمد ورفت اور قیام زیادہ رہتا تھا، اور ان میں سے اکثر نانا صاحب یا دوسرے خاندانی بزرگوں سے بیعت تھیں، یہ عقائد کی بڑی پختہ اور بہت خوش اوقات بہت بابرکت بیبیاں تھیں، ان کی وجہ سے گھروں کے اندر اور بھی دین کا تذکرہ اور دینی مشغولیت رہتی تھی، اور خاندان کی بچیوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔

میری والدہ ماجدہ خیر النساء صاحبہ

نانا صاحب کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں، میرے بڑے

ماموں صاحب کا نام سید احمد سعید تھا، چھوٹے مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب تھے، میری والدہ اپنی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں، ان سے تین بہنیں بڑی اور ایک چھوٹی تھیں، جن کا انتقال نانا صاحب کی زندگی ہی میں زچگی ہی میں ہو گیا تھا، والدہ صاحبہ ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئیں، نام خیر النساء رکھا گیا، والدہ صاحبہ نے کئی بار فرمایا، اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں، کہ نانا صاحب کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ انھیں سے محبت و مناسبت تھی، فرماتیں کہ جب کوئی اچھی کتاب آتی مجھے دیکھنے کو دیتے، اور مجھ سے تذکرہ کرتے کہ یہی ان کی سب سے بڑی خاطر اور محبت کی نشانی تھی، فرماتی تھیں کہ "میاں تہجد کے وقت جب کوٹھے سے اتر کر مسجد جانے لگتے تو میری آنکھ کھل جاتی اور میں اور منجھلی بہن صالحہ بی دونوں بی بی (والدہ) کے پاس کوٹھے پر چلے جاتے اور وہیں ان کے ساتھ نفلیں پڑھتے رہتے اور مشغول رہتے، ہماری دوسری بہنوں اور ہم جولیوں کو اس پر بڑا رشک آتا اور وہ بھی اس کی کوشش کرتیں، مگر اکثر آنکھ نہ کھلتی۔

والدہ صاحبہ کو کاڑھنے، بیل بوٹے بنانے (کشیدہ کاری) اور سلائی کے کام سے بھی فطری مناسبت تھی، اور وہ اس میں استادانہ مہارت رکھتی تھیں، ان کا دماغ شروع سے جدتیں پیدا کرنے اور نئی تراش خراش نکالنے اور نئے نئے تجربے کرنے کا عادی تھا، وہ ان تمام کاموں میں خاندان میں موجد اور ایک طرح کی مجتہد سمجھی جاتی تھیں، نانا صاحب کے مزاج میں بھی (بزرگی اور سادگی کے ساتھ) لطافت اور خوش مذاقی تھی، خوش وضع اور موزوں چیزیں ان کو پسند آتی تھی، اس لئے اکثر والدہ صاحبہ سے اس قسم کا

کام لیتے، نانا صاحب کی ایک عبا جو وہ عید کے موقعہ پر زیب تن فرماتے تھے، ابھی تک ہمارے پاس موجود ہے جس پر والدہ صاحبہ کے ہاتھ کا ریشمی کام ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا استاد ابھی کام ختم کر کے اٹھا ہے۔

تعلیم و مطالعہ

خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کا بہت مخصوص اور محدود پیمانہ پر رواج تھا، لڑکیوں کی زیادہ تعلیم اور نوشت و خواند کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، تعلیم مذہبی کتابوں، مسئلہ مسائل کی واقفیت اور انتظام خانہ داری تک محدود تھی، علمائے حق کی کتابیں جو اس خاندان کے مسلک اور عقیدہ سے مطابقت رکھتی تھیں، وہ ایک طرح سے نصاب میں داخل تھیں، میں نے جن کتابوں کا نام والدہ صاحبہ سے زیادہ سنا ہے، ان میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی کتاب مالابدمنہ، (عقائد و مسائل میں) راہ نجات حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کی کتاب آثار قیامت پر "چہل حدیث" شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجمہ قرآن کے بارے میں مجھے یاد ہے۔

ابتدائی فارسی بھی پڑھائی جاتی تھی، لیکن لکھنے کی مشق کی زیادہ ہمت افزائی نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ایک درجہ میں اس کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، اور بعض بزرگ اس بارے میں بہت سخت تھے، اور کہتے تھے کہ لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں گی تو غیروں کو خط لکھیں گی، لیکن والدہ صاحبہ کو لکھنے کا اور لکھنے کی مشق کرنے کا غیر معمولی شوق تھا انھوں نے

اپنے بڑے چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب سے جو پورے خاندان کے ایک اتالیق کی حیثیت رکھتے تھے، اس کی اجازت چاہی انھوں نے ان کے تقاضے اور ان کے دینی حالات کو دیکھ کر اس کی بقدر ضرورت اجازت دی اور والدہ صاحبہ نے اپنے ماحول کے رواج اور اپنے خاندان کے معیار کے برخلاف اچھا خاصہ لکھنا سیکھ لیا، اور اس چیز نے ان کو اپنی تصنیف و تالیف کے کام میں بڑی مدد دی۔

جو کتابیں اس زمانہ میں زیادہ ان کے مطالعہ میں رہیں، اور جن کا ان کی زندگی میں اور ذہن پر گہرا اثر پڑا، ان میں قصص الانبیاء، مقاصد الصالحین، مآثر الصالحین، طی الفراسخ الی منازل البرازخ، طریق النجاۃ کا نام میں نے بار بار سنا ہے، کچھ عرصہ کے بعد تین کتابیں اور ان کے مطالعہ میں آئیں جن کا انھوں نے بہت اثر قبول کیا، ایک نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کی کتاب الدار و الدواء جس سے ان کو مختلف آیات قرآنی کے خواص اور اعمال قرآنی کا علم ہوا، اور انھوں نے ان میں سے بہت سی چیزوں کو اپنا معمول بنا لیا، دوسری کتاب مجربات دیربی، اس سے بھی انھوں نے بہت فائدہ اٹھایا، اور کام لیا، تیسرے تعبیر الرویا جس میں وہ تعبیریں منقول ہیں جو حضرت محمد ابن سیرین نے لوگوں کے خوابوں پر دیں، اور اس کے اصول بیان کئے ہیں، والدہ صاحبہ کو اس کتاب کے مطالعہ اپنے تجربے اور خداداد ملکہ کی بنا پر خوابوں کی تعبیر دینے سے بڑی مناسبت ہو گئی تھی، خاندان کے اکثر لوگ ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے اور ان کی اکثر تعبیریں صحیح نکلتیں۔

اسی زمانے میں ایک نعمت عظمیٰ کی طرح ان کو ہاتف مرحوم کی ایک مناجات منظوم

جس کا نام نعمت عظمیٰ ہے، مل گئی، اس کا ہر شعر اسمائے حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم سے شروع ہوتا ہے، اور اس اسم کی مناسبت سے اسی مضمون کی دعا اور مناجات ہوتی، معلوم نہیں یہ ہاتف کون تھے، اور ان کا پورا نام کیا تھا، لیکن ہمارے خاندان کے لئے یہ ہاتف غیبی ثابت ہوئے، ان کی یہ مقبول مناجات جس کے نقط لفظ سے خلوص اور دعا کا سچا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، خاندان کی عورتوں اور بچیوں اور بہت سے مردوں کا ورد اور وظیفہ بن گیا، اکثر لوگوں کو یہ زبانی یاد تھی، خاص طور پر جب کوئی فکر یا پریشانی کی بات ہوتی یا کوئی غم یا حزن وملال کا واقعہ پیش آتا تو یہ انفرادی یا اجتماعی طریقہ پر بڑے درد کے ساتھ پڑھی جاتی اور اس سے بڑی تسکین اور تقویت ہوتی۔

حفظ قرآن

مردوں میں تو حفظ کا رواج ہمارے خاندان میں شروع سے رہا ہے، اور ہر دور میں بڑے بڑے جید حافظ ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں مجھے معلوم نہیں کہ اس دور سے پہلے کوئی حافظ تھا، معلوم نہیں کیا خاص محرک پیش آیا کہ اس طبقہ میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب سے پہلے والدہ ہی کو شوق پیدا ہوا یا ان کی کسی اور بہن[1] یا عزیزہ کو، لیکن ایک وقت میں میری والدہ ان کی منجھلی بہن صالحہ بی، ان کی

---

[1] ماہنامہ رضوان ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے ۔ جس کے معلومات والدہ صاحبہ سے اخذ کئے ہوئے ہیں کہ حفظ قرآن کا خیال سب سے پہلے انھیں کو پیدا ہوا اور انھیں نے اس مبارک سلسلہ کا آغاز کیا۔

21758

بھانجی اور دو اور عزیز بہنوں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، ان میں سے ہر ایک نے اپنے کسی ایسے عزیز سے حفظ کرنا شروع کیا جو ان کے حقیقی بھائی یا محرم تھے، چھوٹے ماموں سیّد عبید اللہ صاحب خود جیّد حافظ تھے، بہت صحیح اور عمدہ قرآن مجید پڑھتے تھے، والدہ صاحبہ نے انھیں سے حفظ کرنا شروع کیا، ان دونوں بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی، میں نے کم بھائی بہنوں کو ایسا ایک دوسرے کا جاں نثار پایا، جیسا یہ دونوں بھائی بہن تھے ـــــ غالباً چار پانچ سال ہی چھٹائی بڑائی تھی، تین سال میں انھوں نے حفظ مکمل کر لیا، آگے پیچھے یہ سب بہنیں حافظ ہو گئیں، ان کے حقیقی بڑے چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب اس سلسلے کی بڑی ہمت افزائی اور سرپرستی فرما رہے تھے، والدہ کہتی تھیں کہ بھائی جی مرحوم ہر ہفتہ ہم لوگوں کی دعوت کرتے تھے، اور جب حفظ مکمل ہوا تو انھوں نے ایک بڑی دعوت کی۔

رمضان کا معمول

کیا مبارک زمانہ تھا جب یہ سب تراویح میں ایک ایک پارہ پڑھتی تھیں بعض علماء کے فتوے کے مطابق ان کی اپنی جماعت ہوتی تھی، جن میں عورت ہی امام اور عورتیں ہی مقتدی ہوتی تھیں، عشاء کے بعد سے سحری کے قریب تک یہ سلسلہ جاری رہتا، یہ سب قرآن شریف بہت اچھا پڑھتی تھیں، مخارج نہایت صحیح تھے، اگر گستاخی نہ ہو تو یہ کہوں کہ آج کل کے بہت سے فضلائے مدارس سے زیادہ صحیح اور اچھا پڑھتی تھیں،

اندرونی جذبہ اور فطری ترنم اس پر مستزاد، مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا استا رہا، وہ تراویح پڑھا رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہو رہی ہے، وہ لطف آج تک نہیں بھولتا، شادی ہو جانے کے بعد انھوں نے والد صاحب کو قرآن مجید سنایا، اور اس میں مزید جلا پیدا ہوئی، آخر عمر تک جب تک ان کا حافظہ کام دیتا تھا، وہ اپنے بھتیجے حافظ سید حبیب الرحمٰن صاحب سے ہمیشہ دور کرتی رہیں، آخر دن تک جب تک انھوں نے اپنے معمولات ادا کئے وہ مختلف سورتیں مختلف رکوع اور آیات نہایت صحیح طریقہ پر اور ایک حد تک تجوید اور صحت مخارج کے ساتھ برابر پڑھتی رہیں۔

بے کلی و بے چینی اور دعا و مناجات کا ذوق

اب وہ دور آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمت خاص سے نوازنا چاہتا ہے، اور ان کو دعا و مناجات کی وہ دولت اور نسبت عطا فرماتا ہے، جو ان کی قبولیت و ترقی کا اصل زینہ اور ہزاروں سعادتوں اور نعمتوں کا ذریعہ اور سرچشمہ بنا اور جس کی مثال ہم نے اس دور آخر میں صرف خاصانِ خدا اور اکابر و مشائخ میں دیکھی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب خدا کا کسی پر فضل خاص ہونے والا ہوتا ہے اور خدا کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے، تو کسی نہ کسی سبب سے اس کے اندر بے کلی اور بے چینی اور اضطراب و پریشانی پیدا کر دیتا ہے، ہزاروں سکون قربان اس

بے چینی پر جو سب سے ہٹا کر خدا کے آستانے پر کھڑا کر دے اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ دے اس ناکارہ اور گنہگار کو بہت سے بزرگانِ دین کی سوانح عمری اور حالات لکھنے کا اللہ نے موقعہ دیا اکثر دیکھا کہ جس پر عنایت خاص ہوتی اس کی زندگی میں بے چینی کا کوئی سبب پیدا کر کے اس کو سب کے بیچ میں سے اٹھا کر اپنا بنا لیا، بہت سے بزرگوں کے حالات کی تبدیلی اور جذب و کشش کا ذریعہ یہی اضطراب بنا جس کو بہت سے لوگ "اختلاج" کے نام سے یاد کرتے ہیں، والدہ صاحبہ اکثر کہتی تھیں کہ "میں ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی، میں نے یہ آیت دیکھی :-

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ (البقرہ - ۱۸۶)

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگیں تو چاہیے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

بارہا یہ آیت پڑھی ہوگی، اور ممکن ہے کہ اس وقت تک حفظ بھی کر چکی ہوں لیکن وقت کی بات اکدم سے آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی اور کوئی نئی حقیقت دریافت کی، کہتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے دل پر لکھ دیا ہو اور کوئی چیز دل کی تہہ میں بیٹھ گئی ہو، بس کیا تھا جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو اور سارے قفلوں کی کنجی ہاتھ آ گئی ہو، بس اسی کو مضبوط پکڑ لیا اور دانتوں سے داب لیا،

دعا کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ سارا وجود اس سے سرشار ہو گیا، ادھر اختلاج شروع ہوا، ایک بے کلی اور بے چینی سی ہر وقت رہنے لگی اپنی زندگی کا انجام آئندہ کی فکر، خوش نصیبی اور کامیابی کا شوق ہر وقت دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔

اس ہر وقت کی بے چینی اور اضطراب میں اگر کسی چیز سے تسکین ہوتی تو صرف دعا اور مناجات سے یہی درد کی دوا، روح کی غذا اور زخم دل کا مرہم تھا، ایک اندرونی طاقت تھی، جو ان کو ہر وقت دعا اور مناجات میں مشغول رکھتی، خود ہی بے چین کرتی، پھر خود ہی سکون عطا کرتی، خود ہی دل کو زخمی کرتی پھر اس پر مرہم رکھتی، خود ہی رلاتی خود ہی آنسو پونچھتی دعا کئے ہوئے روئے ہوئے ذرا دیر گذرتی تو پھر پہلو میں چٹکی لیتی اور زخم دل کو جو ہرا تھا پھر ذرا سا چھیڑ دیتی پھر جب تک وہ دل کھول کر دعا نہ کر لیتیں ان کے بے چین دل کو تسکین نہ ہوتی۔

ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ناز بھی بہت تھا اچھے اچھے لوگوں میں میں نے دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے ان کی زندگی اس حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی جس میں کہا گیا ہے کہ "تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو اس کو دعا ہی کے ذریعہ طلب کرو اور تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ ہی سے مانگو"۔

ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گذری، ماثور دعائیں، منظوم مناجاتیں اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر فکر و تردد کے موقع پر پڑھتی تھیں۔

بچپن سے ہم بھائی بہنوں کو اس کا عادی بنایا، مجھے یاد ہے کہ جب میں کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا:

"تم جب کچھ لکھا کرو تو بسم اللہ کے بعد سب سے پہلے یہ الفاظ لکھا کرو۔

"اللّٰھمّ اتنی بفضلک افضل ما تؤتی عبادک الصالحین": (اے اللہ اپنے فضل سے مجھے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز عطا فرما جو تو اپنے نیک بندوں عطا کیا کرتا ہے"

ان کو ہر موقعہ کی اتنی دعائیں اور مسنون وظائف یاد تھے، جو اس زمانے کے مدارس کے اچھے اچھے فضلا کو یاد نہ ہوں گے ان کا یہ شعر بالکل حسب حال اور ان کے اصل ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی

نہ ٹوٹے آس اے مولا! ترے در کے فقیروں کی

ان کے یہ شعر ان کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں، اور میں نے ان کو اکثر ملتزم اور مطاف میں پڑھا ہے، اور بڑا ذوق وفائدہ محسوس ہوا ہے۔

کونسی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا　　کونسا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا

کونسا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا　　کونسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پاکر شاد ہوں!

آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں!

دعا میں اللہ تعالیٰ ان سے وہ مضامین ادا کروا تا جو اہل یقین اور اہل قلوب کا

خاصہ ہیں، طبیعت شروع سے موزوں بہت تھی اس کے علاوہ مسنون دعاؤں اور بے تکلف عرض حال کے جو وہ تہجد میں اور فرض نمازوں کے بعد بالعموم کرتیں اکثر نظم میں بارگاہ الٰہی میں اپنا مدعا پیش کرتیں اور اپنے مالک کے سامنے فریاد کرتیں۔

یہ مناجاتیں درد و اثر سے لبریز ہوتیں، اور بہت جلد مقبول اور زبان زد ہو جاتیں اور خاندان میں بیبیاں اور بچیاں ان کو یاد کر لیتیں، اور پڑھتی تھیں جس وقت یہ مناجاتیں پڑھی جاتیں، ایک سماں بندھ جاتا، اور دل امنڈ آتے، عرصہ ہوا ان کی مناجاتوں کا مجموعہ "باب رحمت" دیکھ کر ایک صاحب دل اور عارف نے کہا تھا کہ جس کے یہ اشعار ہیں، اس کو اپنے مالک پر ایک ناز اور اس کے ساتھ بندگی کا ایک خاص تعلق معلوم ہوتا ہے، خود میرا یہ حال ہے کہ ان کے پڑھنے سے ایک خاص کیفیت محسوس ہوتی ہے، اور طبیعت دعا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

والدہ صاحبہ نے خود اپنی ایک تصنیف میں اس زمانہ کی کیفیت بیان کی ہے، اس سے زیادہ ان کی صحیح اور اچھی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔

"دعا گویا میری غذا تھی، بغیر دعا کئے مجھے سیری نہ ہوتی، دعا کی مشغولیت اتنی بڑھی کہ تمام مشاغل چھوٹ گئے اگر بات بھی کرتی تو دعا کے ساتھ کرتی، کوئی گھڑی دعا سے خالی نہ گزرتی، جمعہ گویا روز عید تھا، اور فی الحقیقت عید کا دن بھی ہے، تمام دن دعا کرتی، خاص کر عصر سے غروب آفتاب تک تنہا بیٹھ کر دعا میں ایسی مشغول رہتی کہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھاتی، مرغ کی ہر آواز پر اور ہر اذان کے ساتھ دعا کرتی،

حتی الامکان کوئی وقت دعا کا ضائع نہ کرتی، اور کوئی بات نہ چھوڑتی ہر خوف سے امان مانگتی اور ہر خوبی کی طالب ہوتی، یہ اس مالک حقیقی کی رحمت وعنایت تھی کہ جو جو معاملات زندگی میں پیش آنے والے تھے، دعا کے وقت سب پیش نظر ہو جاتے، اور اس قدر جوش پیدا ہو جاتا کہ بے خودی ہو جاتی اور تمام جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی، اور اس کی شان قدرت پر نظر کر کے تڑپ جاتی جس طرح مرغ ذبیح تڑپتا ہے، مگر بے خودی میں بھی دعا جاری رہتی ہے، اور ہر وقت اپنے قیافہ پر نفو کرتی اور کہتی ؎

"جو عیب قسمت کے ہیں مٹا دے ترا ہی عالم میں نام ہوگا"

سجدے سے سر ہرگز نہ اٹھاتی جب تک دل کو کچھ تسکین نہ ہو جاتی، دعا کے بعد مجھے اس قدر تسکین ہوتی کہ گویا رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں، اور میں خزانۂ رحمت لوٹ رہی ہوں کبھی خود بخود ہنسی آجاتی ہے اور کہتی ؎

کیوں نہ آئے رحم تجھ کو حال پر میرے رحیم — تیری ہی رحمت تو ہے مونس میری ہمدم مری
بیکسوں کا بس تو ہی مونس تو ہی غمخوار ہے — تجھ سے کہکر کیوں نہ ہو بیتابئ دل کم مری
کب نہیں ہوگی خبر تجھ کو دل بیتاب کی — آہ پہونچے گی تیرے دربار میں جبدم مری
سائلوں میں اک ترے دربار کے میں بھی تو ہوں — کیوں رہے فریاد دل یوں درہم و برہم مری
کیوں نہ میں چاہوں کہ خود ہی چاہنے والا ہے تو — کب گوارا ہے تجھے کہ چشم ہو پرنم مری"[1]

---

[1] رسالۂ "الدعا و القدر" (قلمی) صفحہ ۱۳ و ۱۴، عبارت من وعن نقل کی گئی ہے کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی اشعار بھی انھیں کے ہیں۔

دعا کی محویت اور اس کا انہماک روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور اس میں ان کو عجیب لذت و سرور، جوش و خروش اور سرشاری کی کیفیت محسوس ہوتی تھی، اسی زمانہ میں ان کی موزوں طبیعت اور جذب دل نے اس کو نظم کا قالب بھی عطا کیا اور وہ اپنے دلی جذبات کو اشعار میں ادا کر کے اپنے دل کو تسکین دینے لگیں، فرماتی ہیں:

"اس مالک حقیقی کو میری گریہ وزاری کچھ ایسی پسند آگئی کہ جو کچھ دنیا ر ولا کر دیتا مگر سب سے بہتر دیتا، ایک سال متواتر یہ مشغولیت رہی اس سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ دعا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہوئی تمام خوبیاں ہیچ ہو جائیں، دعا کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ اکثر نماز میں بجائے سورہ کے دعا مانگنے لگتی اور کاموں کا کیا ذکر، اس مالک حقیقی نے دعا سے ایسی دلچسپی پیدا کر دی تھی کہ بغیر دعا کے مجھے آرام نہ ہوتا، جب نماز اور دعا سے فارغ ہوتی تو حزب الاعظم کا ورد کرتی، اور بار بار دہرانی اور طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک دعا سے غافل نہ رہتی، زبان سے بھی ادا کرتی اور قلم سے بھی لکھتی، دل اس طرف ایسا مائل تھا کہ خود بخود ایسے اشعار منہ سے نکلتے گویا اصلاح کیے ہوئے ہیں، نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اشعار پڑھتی اور روتی اس مالک حقیقی کی قدرت و رحمت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ قسمت کو ہیچ سمجھتی اور اسے صاحب تدبیر سمجھ کر ہر وقت ناز کرتی، اور تمام مشکلوں کو آسان سمجھتی، وہ وہ خواہشیں ظاہر کرتی جو میری قسمت سے بعید اور دشوار تھیں، مگر اس کی شان کبریائی پر نظر کر کے کہتی ؎

ذرّہ کو گر چاہے تو ہی پل میں کرے رشک قمر
تیری صفت یہ دیکھ کر کیوں حوصلہ میرا ہو کم

اس کی عنایت و شفقت پر مجھے اس قدر ناز تھا کہ یہ کہتی تھی "یا ارحم الراحمین اگر تو مجھے میری کوشش میں کامیاب نہیں کرے گا تو ایسی چیخ ماروں گی کہ آسمان و زمین ہل جائیں گے اور تیرے در سے ہرگز سر نہ اٹھاؤں گی" ے

نہ اٹھوں گی میں اس در سے کوئی مجھ کو اٹھا دیکھے
مجھے ہے آرزو جس کی اٹھوں گی میں وہی لیکر

یہ اس کی محبت اور عنایت و رحمت تھی کہ اتنی بڑی سرکار میں مجھے ایسا ڈھیٹ کر دیا تھا، اور بے حجاب کر میں کہتی اور کہہ کر اپنی بات پر اڑ جاتی، اور اتنا بڑا بادشاہ مالک الملک ہو کر مجھ ادنیٰ فقیر کی ناز برداری کرتا ہے

یہ شان دیکھی تیری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی
بلا کے دینا کرم ہے تیرا یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے[1]"

شادی

والدہ صاحبہ کی عمر شادی کی ہو گئی تھی، اور ان کی کئی ہم سن بہنوں اور عزیزوں کی شادیاں بھی ہو گئی تھیں، لیکن ان کی شادی کے بارے میں والدین ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکے تھے،

---

[1] رسالہ "الدعا والقدر" (قلمی ص ۱۵-۱۶

رشتہ گھر ہی میں موجود تھا، حقیقی چھوٹے چچازاد بھائی سے حقیقی بہن منسوب تھیں، جو بڑی سے چھوٹی تھیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ کر انھوں نے جوانی میں انتقال کیا اب دوسری بہن (والدہ صاحبہ) کا پیام دیا گیا، چچا کے اس گھر میں ہر طرح کی دنیاوی وجاہت معقول جائداد اور دنیاوی فراغت کے اسباب موجود تھے، مگر کوئی خاص دینی ذوق اور اعلیٰ دینی تعلیم نہ تھی، سارے اسباب و قرائن اس بات کے حق میں تھے کہ یہ رشتہ ہو جائے کہ یہ گھر ہی کے گھر کی بات تھی، کہیں دور جانا نہ تھا، جائداد اور انتظام بھی مشترک تھا، اور ایک ہی گھر میں بود و باش بھی تھی، نانی صاحبہ بھی اس کی بڑی مؤید اور محرک تھیں، لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، اس اثنا میں ایک لطیفۂ غیبی ظاہر ہوا۔

میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی ۱۳۰۹ھ میں اپنی حقیقی ماموں زاد بہن سے ہنسوہ ضلع فتحپور میں ہوئی تھی، طرفین میں نہایت محبت و موافقت تھی، ۱۳۱۹ھ میں ان کا لکھنؤ میں اچانک انتقال ہو گیا، اپنے پیچھے صرف ایک یادگار چھوڑی، میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید عبدالعلی صاحب مرحوم جو اس وقت صرف ۹ سال کے تھے، والد صاحب پر اس اچانک حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ باوجود اس کے کہ ابھی ان کی صرف تینتیس سال کی عمر تھی، انھوں نے دوسری شادی نہ کرنے فیصلہ کر لیا، میرے بڑے دادا صاحب مولوی حکیم سید فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ اور میرے نانا صاحب دونوں حضرت مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کے سلسلہ میں مجاز اور قرابتوں اور خاندانی رشتوں کے علاوہ پیر بھائی بھی تھے، اور آپس میں نہایت اتحاد و الفت تھی،

اس حادثہ کے بعد ان کے دل میں اس بات کا شدید تقاضہ پیدا ہوا کہ والد صاحب کی دوسری شادی حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب کی ان صاحبزادی سے ہو جائے (میری والدہ) جو شادی کے قابل تھیں، اور جو اپنی دینداری، سلیقہ مندی اور پڑھنے لکھنے کے ذوق کی وجہ سے دادا صاحب کو نہایت عزیز تھیں۔

لیکن والد صاحب کی طبیعت شادی کی طرف راغب نہ تھی، اور ان کی طرف سے انتہائی سعادت مندی کے باوجود اس معاملہ میں خاموشی تھی، مجھ سے ان کے ایک نہایت بے تکلف اور عزیز دوست منشی عبد الغنی صاحب مرحوم نے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ رائے بریلی گیا، حکیم صاحبؒ کے والد مولانا فخر الدین صاحب نے مجھ سے بڑے درد سے کہا کہ کیا ہماری ڈیوڑھی اب بے چراغ رہے گی؟ سیدؔ[1] شادی نہیں کرنا چاہتے، ہمارے بعد اس گھر میں کوئی چراغ جلانے والا بھی نہ ہوگا، تم سید کو اس پر راضی کرو، میں نے لکھنؤ آکر مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کے والد صاحب کی بڑی خواہش اور تمنا ہے کہ آپ دوسری شادی کر لیں اگر آپ نے انکار کیا تو ان کی ناراضگی کا ڈر ہے، آخر کار والد صاحب باپ کی اطاعت اور تعمیل حکم کے خیال سے راضی ہو گئے اور نانا صاحب کے یہاں پیغام بھیج دیا گیا۔

یہاں پر اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جس طرح خاندان میں ہمارے نانا صاحب کا گھر سب سے زیادہ کھاتا پیتا اور خوش حال، باوجاہت تھا ہمارے دادا صاحب

---

[1] خاندان میں میرے والد صاحب کا یہی عرف تھا۔

کے یہاں اسی قدر اس چیز کی کمی تھی، یہاں کوئی جائداد اور زمینداری عرصہ سے نہ تھی، خاندان کی اس شاخ میں بہت اوپر سے علم دین کا سلسلہ چلا آرہا تھا، اور یہ مولویوں کا گھرانہ مشہور تھا یہاں جائداد کے بجائے کچھ کتابوں کا ذخیرہ اور دینی علم نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا، اور یہی اس کی سب سے بڑی جائداد تھی، اس دور میں خاص طور پر گھر میں ایک طرح کی تنگی اور عسرت تھی دادا صاحب حاذق طبیب، بڑے فاضل اور مصنف تھے، لیکن طبیعت میں بے نیازی اور خودداری بہت تھی، کبھی معاش کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی، گھر میں کسی کسی وقت فاقہ ہوجانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔

والد صاحب مرحوم نظامت ندوۃ العلماء میں پہلے تیس چالیس روپے ماہوار کے ملازم تھے، پھر اس کو بھی ترک کر دیا، ایسی حالت میں جب یہ پیام پہونچا تو میری نانی صاحبہ کو اس کے قبول کرنے میں بڑا تردد ہوا، عورتیں ان معاملات میں زیادہ دوربین اور حساس ہوتی ہیں، گھر سے گھر ملا ہوا تھا، وہ گھر کی حالت سے واقف تھیں، پہلے رشتہ کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دینا ان کے سمجھ میں نہ آیا، جان بوجھ کر بیٹی کو تکلیف میں ڈالنا ان کے نزدیک کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی، لیکن نانا صاحب کو والد صاحب کے ساتھ بڑی محبت تھی، والد صاحب نے ان سے روحانی استفادہ بھی کیا تھا، اور وہ ان کی علمیت اور صلاحیت سے بھی واقف تھے، پیام آتے ہی وہ کھل گئے، اور گویا ان کی مراد پوری ہوئی، نانی صاحبہ سے انھوں نے صاف کہدیا کہ سید جوان، صالح، عالم اور ہونہار ہے، میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، میرے نزدیک غربت اور امارت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اصل دیکھنے کی چیز

صلاحیت اور علم ہے۔

خود والدہ صاحبہ کی زبان سے اس کو سنئیے، اپنے رسالہ "الدعا والقدر" میں لکھتی ہیں:

"جس طرف سے زیادہ کوششیں تھیں وہ میرے چچا کا گھر تھا، دو بہنیں میری اس گھر میں منسوب ہو چکی تھیں، یہ گھر ایک مدت سے سرسبز اور آباد تھا، دنیاوی اعتبار سے ہر خوبی میں بے مثال تھا، مال و دولت، عزت، شرم و حیا، صورت و سیرت، غرض اس سے بہتر کوئی گھر نہ تھا، یہ ہمارے لئے باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا، والدہ مرحومہ کی دلی خواہش اسی طرف تھی، اپنے حقیقی بھائی کے گھر پر اس کو ترجیح دیتیں، اور مجھے بھی یہ گھر عزیز تھا، تمام باتیں میرے موافق تھیں، مگر والد مرحوم کا خیال تھا کہ مفلس ہو مگر متقی اور پرہیزگار ہو، یہ خوبی یہاں نہیں پائی جاتی تھی"!

اس کش کش اور تردد و انتظار کے زمانہ میں والدہ صاحبہ نے جن کو اس زمانہ میں خوابوں سے بڑی مناسبت تھی کئی ایسے خواب دیکھے جن میں والد صاحب کے گھر کی طرف اشارہ تھا اور یہ کہ اگر یہ دونوں گھر مل گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنائتیں ہوں گی، اسی کے آگے پیچھے ایک نہایت بشارت آمیز خواب دیکھا جس سے وہ زندگی بھر تسکین حاصل کرتی رہیں، جب وہ اس کا تذکرہ کرتیں تو ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی وہ لکھتی ہیں:-

"ایک رات کو میں نے خواب دیکھا کہ خاص اس مالک کریم، رحمٰن ورحیم کی عنایت و مہربانی سے ایک آیۃ کریمہ مجھے حاصل ہوئی، صبح تک وہ زبان پر جاری تھی، مگر کچھ خوف ایسا تھا کہ میں بیان نہ کرسکی منہ سے نکلنا دشوار تھا اور اس کے معنی بھی مجھے معلوم نہ تھے، جب معنوں پر غور کیا تو خوشی سے پھول گئی اور تمام فکر غم بھول گئی اپنی اس خوش نصیبی پر فخر کیا اور اس خواب کو بیان کیا ہر شخص سنکر رشک کرتا، اور والد مرحوم خوشی میں رونے لگے، وہ آیت کریمہ یہ ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (السجدہ - ۱۷)	سو کسی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کرتے تھے"[۱]

بالآخر نانا صاحب کا فیصلہ اور ارادہ غالب رہا اور ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں بخیر وخوبی یہ رشتہ ہوگیا، دادا صاحب اس رشتہ سے باغ باغ اور اپنے انتخاب پر مطمئن اور مسرور تھے، والدہ صاحبہ کے آتے ہی انھوں نے گھر کا سارا انتظام اور والد صاحب کی دو چھوٹی بہنوں کو جو دوسری والدہ سے تھیں، والدہ صاحبہ کے حوالہ کردیا، اور خود وہ اور دادی صاحبہ مرحومہ گھر اور بچوں کی طرف سے بالکل فارغ اور سبک دوش ہوگئے۔

---

[۱] "الدعاء والقدر" ص ۲۳۔

خیر و برکت کا نزول

والدہ صاحبہ اپنے نئے گھر میں آئیں تو اس کا انھوں نے وہی نقشہ دیکھا جس کو وہ سنا کرتی تھیں، تنگی ترشی کا زمانہ کبھی فراغت کبھی فاقہ، گھر میں کئی کھانے والے اور دادا صاحب کی آمدنی برائے نام، ادھر نانی صاحبہ اپنی شفقت کی بنا پر اس ٹوہ میں رہتی تھیں کہ بیٹی کو کچھ تکلیف تو نہیں ہے کبھی کسی ماما کو بھیجتیں کہ گھر میں کچھ پک رہا ہے، یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کئی بار سنایا کہ جب میں کسی کو اپنے میکہ سے آتے دیکھتی تو چولھے پر ہانڈی رکھ دیتی اور آگ جلا دیتی تاکہ یہ معلوم ہو کہ کھانا پک رہا ہے، حالانکہ اس میں پانی کے سوا کچھ نہ ہوتا بعض اوقات نانی صاحبہ اپنی فراست سے تاڑ لیتیں اور کھانے کا خوان لگا کر بھیج دیتیں۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد والد صاحب نے مطب شروع کرنے کا ارادہ کیا، والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھ سے مشورہ لیا، میں نے اس کی بڑی تائید کی، اور مطب کا سلسلہ شروع ہو گیا، مطب شروع ہوتے ہی وہ پریشانی دور ہو گئی، آمدنی کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت جلد اتنی برکت اور ترقی ہوئی کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا، گھر جس کا بڑا حصہ خام تھا، والدہ صاحبہ کی بلند ہمتی اور زندہ دلی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، اور رفتہ رفتہ ایک پختہ حویلی بن گئی دونوں بہنوں اور بھائی صاحب[1] کو اس طرح اپنی تربیت اور شفقت میں لیا کہ وہ ماں کو بھول گئے اور ساری عمر ان سب نے انھیں کو ماں سمجھا، جس گھر میں خود گھر والوں کو بھی کبھی

---

[1] ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب

فاقہ کرنا پڑتا تھا، اب وہاں ہر گھر سے زیادہ مہمانوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، رائے بریلی اور لکھنؤ میں اپنے پرایوں اور قریب و دور مہمانوں کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔

اپنے اس گھر کا نقشہ اور اس کی خصوصیات اور تھوڑے عرصہ میں یہاں جو تبدیلی ہوئی اس کا ذکر خود انھوں نے اپنی تحریر میں کیا ہے، اور وہ انھیں کی زبان سے سننے کے قابل ہے، اس سے ان کے حقیقی جذبات اور ان کے ذوق اور رغبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

"بیشک اس گھر میں دولت نہیں تھی، مگر وہ خوبیاں تھیں جن پر تمام دولت نثار کر دی جائے ایک علم ایسی چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے دولت ختم کر دی جاتی ہے، جب بھی یہ دولت کم نصیب ہوتی ہے، پھر علم کے ساتھ ہزاروں خوبیاں موجود تھیں، دولت وہ چیز ہے جس کے ساتھ ہزاروں جھگڑے ہوتے ہیں اس مالک حقیقی نے دولت مندوں سے زیادہ مجھے عزت دی اور وہ مہربانیاں اور عنایات مجھ پر کیں جن کا اظہار کرنا امکان سے باہر ہے، اس قلیل آمدنی میں وہ کام کروائے، جو دولت مند نہیں کر سکتے، وہ ضرورتیں پوری کیں جو کسی وقت میں نہ پوری ہو سکتیں، گھر کا نصف درجہ ایک مدت سے نامکمل پڑا تھا، بہتوں نے کوشش کی مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی علاوہ اس کے شادی وغیرہ کی کوئی صورت نہیں تھی، رسم و رواج بھی ضروری اٹھا دیئے گئے تھے، ایک معمولی طریقہ سے گذر ہو رہا تھا۔

یہاں میں اپنی خصوصیت نہیں بیان کرتی بلکہ اس مالک حقیقی کی قدرت اور دعا کی عظمت و برکت دکھاتی ہوں یہ کہ چند ہی روز میں یہ گھر قابلِ رشک ہوگیا، نہ وہ گھر رہا نہ وہ تنگی، تمام ضرورتیں نہایت فراغت اور خوبی کے ساتھ پوری ہوتی گئیں، نصف حصہ کیا ایک اچھی خاصی شاندار عمارت تیار ہوگئی جس گھر میں بجز فکر کے اور کچھ نہ تھا اس گھر کو مالک حقیقی نے مال، اولاد اور تمام خوبیوں سے بھر دیا اور ہر حالت قابلِ اطمینان ہوگئی اس مالک حقیقی کی کچھ ایسی رحمتیں اور برکتیں مجھ پر متواتر نازل ہوئیں گویا رحمت کے دروازے کھل گئے، گھر جنت کا نمونہ بن گیا، تمام امیدیں سرسبز ہوگئیں، خیالات جو پست ہو رہے تھے، ایسے وسیع ہوئے کہ دور تک کی سوجھنے لگی، ہم کو اپنی ضرورتیں پوری کرنا دشوار تھا، اس کے فضل سے دوسروں کی ضرورتیں ہم سے پوری ہونے لگیں، پہلے ایک ماہ اطمینان سے نہ گزرتا تھا اب برسوں مہمانوں سے دسترخوان خالی نہ ہوتا، اس کی عنایت سے تمام نعمتیں موجود ہوگئیں، ہر طرح کا آرام نہ کچھ فکر نہ کوئی اندیشہ۔[1]

آگے چل کر لکھتی ہیں:

"یہ گھر میرے لئے جنت اور یہ خدمت میرے لئے رحمت تھی، گویا میں سایۂ رحمت میں آگئی، نہ کوئی فکر رہی نہ غم، ہر گھڑی شکر میں گذرنے لگی۔"

---

[1] الدعا والقدر صفحہ ۳۰-۳۱

کس زباں سے کروں میں شکر ادا　　تیرے انعام و لطف بے حد کا

تو نے مجھ کو کیا بنی آدم　　اشرف الخلق اکرم العالم[۱]

صبر و شکر کی زندگی اور معمولات کی پابندی

۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) ہمارے گھر کے لئے بلکہ خاندان کے لئے عام الحزن (غم کا سال) تھا، اسی میں ایک سال کے اندر اندر تقریباً دو مہینے کے وقفہ سے دادا صاحب اور نانا صاحب دونوں نے انتقال کیا، اس طرح میرے والد صاحب، اور میری والدہ صاحبہ دونوں کو ایک ہی طرح کا صدمہ پیش آیا، اور دونوں صحیح معنی میں ایک دوسرے کے شریک غم تھے، الحمدللہ کہ دونوں اس رشتہ کی کامیابی اور اس گھر کی ترقی و برکت دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

اب والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر لکھنؤ رہنے لگا، انتظام خانہ داری کی ساری ذمہ داری ان پر تھی، مہمانوں کا وسیع سلسلہ تھا، خاندان کے کئی بچے تعلیم کے سلسلے میں مستقل طور پر مقیم رہتے تھے، بھائی صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے، مختلف مہمانوں اور خاص طور پر عزیزوں کی خاطر داری اور ان کی حیثیتوں اور مزاجوں کی رعایت سب کے حقوق کی ادائیگی بڑا نازک اور مشکل کام تھا، والدہ صاحبہ کی زندگی اس دور میں اس ایثار و قربانی کا نمونہ تھی، جو ہندوستانی عورتوں کا طرۂ امتیاز اور دین دار و تربیت یافتہ

---

[۱] الدعا والقدر ص ۳۴

مسلمان بیبیوں کا شعار ہے وہ والدصاحب کی اجازت کے بغیر باوجود اس کے کہ انھوں نے ان کو گھر کا مالک بنا رکھا تھا، ان کی چیزوں میں بلا اجازت تصرف کرنا قریب قریب ناجائز سمجھتی تھیں، گھر میں موسم کے جو پھل اور باہر سے جو تحائف آتے جب تک والدصاحب کی اجازت اور صراحت نہ ہوتی وہ اپنے بھانجوں بھتیجوں کو تو کیا اپنی اولاد کو بھی دینا گناہ سمجھتی تھیں۔

والدصاحب کے تعلقات بہت وسیع تو نہ تھے، مگر بہت منتخب لوگوں سے تھے، زیادہ تر یہ وہ لوگ تھے، جن کا ان کے شیخ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے تعلق تھا، ان میں بھی بہت سی خصوصیتوں کی بناء پر نواب سید صدیق حسن خاں بہادر رئیس بھوپال کے بڑے صاحبزادے نواب سید نورالحسن خاں مرحوم سے بہت گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے، ان کو والدصاحب سے ایسا تعلق تھا کہ ان کے بغیر ان کو چین ہی نہیں آتا تھا، اس خصوصی تعلق کی بنا پر والدہ صاحبہ اور ہمارے سب گھر والوں کا انکی کوٹھی پر بار بار جانا ہوتا تھا، تقریب بلا تقریب کوئی مہینہ مشکل سے ایسا گزرتا تھا کہ کسی نہ کسی بہانہ سے ان کی بیگم صاحبہ بلاتیں اور دن بھر رہنا ہوتا، لیکن اس خلا ملا کے باوجود والدہ صاحبہ نے اپنا رکھ رکھاؤ اور اپنا طرز ویسے ہی قائم رکھا جیسا ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا، ان کی سادگی خلوت پسندی، قناعت اور دنیا سے بے رغبتی میں سرِ مو فرق نہیں آیا۔

نواب صاحب مرحوم کے علاوہ والدصاحب کے چند اور مخلص دوست تھے،

جن کے یہاں آمد و رفت رہتی تھی، یہ دین دار، باخدا اور نہایت مخلص احباب تھے، اور ان سب کا تعلق مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ یا مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلیؒ سے تھا، جو والد صاحب کے محبوب ترین استاد تھے، یا ان سے کوئی خاص علمی و دینی رشتہ تھا ایک منشی محمد خلیل صاحب دوسرے منشی رحمت اللہ صاحب تیسرے حاجی شاہ محمد خاں صاحب اور چوتھے شیخ محمد عرب صاحب جو والد صاحب مرحوم کے استاد اور استاد زادہ تھے، زیادہ تر والدہ صاحبہ کا تقریبات اور بلاوے پر انھیں چند گھروں میں آنا جانا تھا۔

اس پورے عرصہ میں جس میں زندگی اور خاندان میں بہت سے نشیب و فراز آئے، متعدد اولادیں ہوئیں، خوشیاں بھی اور پریشانیاں بھی پیش آئیں، ان کے معمولات، دعا کا شغف، قرآن مجید کا دور برابر قائم رہا، رمضان المبارک میں قرآن مجید کا دور اور بعض اوقات اس کا تراویح میں ختم کرنے کا سلسلہ بھی تھا، بھائی صاحب کو والدہ صاحبہ سے اس وقت بھی انس تھا، جب ان کی والدہ حیات تھیں، اور بعد میں تو انھوں نے ان میں اور اپنی ماں میں فرق نہیں سمجھا اور انھوں نے بھی ان کو ہمیشہ اپنی اولاد پر ترجیح دی، والد صاحب کی دونوں بہنوں اور بھائی صاحب کی شادی بڑے شوق، خوش سلیقگی، اور حسن انتظام سے کی۔

صدمۂ جانکاہ اور تسلیم و رضا کی زندگی

غرض یہ زمانہ ہر طرح سے فرحت و مسرت اور خیر و برکت کے ساتھ گذر رہا تھا کہ لیکایک ۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ (۲ رفروری ۱۹۲۳ء) کو والد صاحب کے انتقال کا واقعہ

ہوا آیا، پہلے سے طبیعت کچھ ناساز نہ تھی، میرے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب کو کچھ چوٹ
آئی تھی، والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو ان کی عیادت کے لئے ان کے یہاں بھیجدیا مغرب
کے بعد تک کام کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں ندوہ کے کاغذات پر دستخط کئے پھر اچانک مرض موت
کا دورہ آگیا اور گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنے پیدا کرنے والے سے جاملے۔

مجھے خوب یاد ہے میری عمر اس وقت نو سال کی تھی، میں ہی والدہ صاحبہ کو لینے گیا،
جب وہ آئیں اور ان کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ سجدہ میں گر گئیں جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا'
خود ان کی زبان سے اس صدمہ اور اس پر صبر و رضا کا حال سنئے:

"جب خدمت کی مدت ختم ہونے کو آئی تو اس مالک حقیقی نے میرے حق میں
بہتر سمجھ کر قسمت کا بہانہ پیش کر دیا قسمت نے حکم ایزدی پاکر فوراً ہی فیصلہ
کر دیا میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہوگئی مگر یہ غم جدائی ایسا نہ تھا کہ برداشت
کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی، جو مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا ورنہ
جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی، ایسے مونس و رفیق کا یک بیک نظر سے غائب ہو جانا
قیامت سے کم نہ تھا، میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ دل پتھر دل کی صورت میں کیوں کر
رہ گیا، بس یہ کہنا چاہیے کہ یہ حکم میرے لئے ہلاکت و مصیبت نہیں تھا، بلکہ سراسر
رحمت اور ذریعہ عنایت تھا کہ بجائے ہلاکت و بربادی کے مجھے اپنے سایۂ رحمت
میں لے لیا، اور میرا سچا مونس و غمخوار و مددگار ہو کر ہر موقعہ پر ساتھ دینے لگا
سبحان اللہ کیا شانِ رحمت ہے اس کی، اٹھی غم کی گھٹا اور رحمت ہو کر

برس گئی جس سے تمام کھیتی سرسبز و شاداب ہو گئی!

اس وقت لکھنؤ کے گھر میں مردوں میں میں ہی تھا، وہ بھی نو دس برس کی عمر، بھائی صاحب میڈیکل کالج لکھنؤ کی طرف سے (جہاں وہ تعلیم پا رہے تھے) طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدراس گئے ہوئے تھے، جہاں ڈاکٹری کا کوئی ایسا شعبہ تھا جو اس وقت تک لکھنؤ میں قائم نہیں ہوا تھا، بڑوں میں میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب ندوی بھی لکھنؤ میں تھے مگر بیمار۔

اگلے دن (۳ فروری ۱۹۲۳ء) ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ کو ہمارا چھوٹا سا سوگوار قافلہ اپنے وطن رائے بریلی کو روانہ ہوا جہاں والد صاحب کی تدفین اپنے خاندانی بزرگوں کے پہلو میں ہونی قرار پائی تھی لکھنؤ سے بظاہر ہم لوگ ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے، باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، بھائی پردیس میں تھے، والد صاحب نے ترکہ میں صرف ایک روپیہ نقد چھوڑا تھا، جو ان کے دواؤں کے صندوقچہ میں کہیں پڑا ہوا تھا، اور برسوں پڑا رہا، بشکل قرض کچھ فیسیں اٹاوہ کے ایک راجہ کے ذمہ تھیں، گھر میں شروع سے نہ کوئی جائداد تھی نہ جاگیر، روز کی آمدنی روز کا خرچ، پس انداز کرنے کا والد صاحب کا معمول نہ تھا، بھائی صاحب کی تعلیم ابھی نامکمل تھی اور غالباً دو سال باقی تھے، مجھے اب یاد نہیں کہ ابتدائی زمانہ کس طرح گذرا، ہاں ہمارے ماموں نہایت شفیق اور والدہ صاحبہ کے جان نثار بھائی تھے، لیکن والدہ نے اپنی فطری ہمت اور اولوالعزمی سے ہم لوگوں کو محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ یتیم ہو گئے ہیں

له الدعا والقدر۔ ص ۳۴۔ ۳۵۔

اور اب پہلی سی حالت نہیں رہی۔

غالباً ہفتہ عشرہ کے بعد بھائی صاحب (جن کو حادثہ کا علم ایک عجیب طریقہ سے بمبئی میں ہوا) اچانک رائے بریلی پہونچے، وہ منظر ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے، والد صاحب کی قبر پر پہونچکر ان کا بیقراری سے رونا چشم تصور کے سامنے گویا کل کی بات ہے، پھر گھر آئے، ماں بہنوں سے ملے اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر کہ پھر انھوں نے ایک لمحہ کے لئے محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے ہیں، وہ دن اور ان کے دنیا سے کوچ کرنے کا دن کہ انھوں نے باپ کی طرح شفقت، فرماں بردار اولاد کی طرح خدمت اور ناز بردار بھائی کی طرح محبت کی، والدہ اور ہم سب بھائی بہنوں کے ساتھ ان کی سعادت مندی اور محبت پہلے سے کہیں بڑھ گئی، یہ ایک پوری کہانی ہے جس کے سنانے کا موقعہ والدہ صاحبہ کے تذکرہ میں نہیں، بھائی صاحب کا تذکرہ اور ان کی تاریخ ہے، جب کبھی خدا توفیق دے گا یہ کہانی بھی سنائی جائے گی۔[۱]

وظیفۂ زندگی

رائے بریلی میں عدت کی مدت میں بھی اور اس کے بعد بھی والدہ صاحبہ کے دو ہی مشغلے تھے، ایک دینی کتابوں کا سننا جن کے پڑھنے کی سعادت اکثر مجھے حاصل ہوتی تھی،

---

[۱] الحمد للہ کہ اس کام کی توفیق ہوئی، اور والد صاحب کے تذکرہ کے ضمیمہ کی شکل میں بھائی صاحب (ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم) کا تذکرہ بھی مکمل ہو گیا، یہ کتاب "حیات عبد الحی" کے نام سے ۱۹۷۰ء میں ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

دوسرے ان کی زندگی بھر کا وظیفہ دعا اور عبادت۔

اس زمانہ میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غمناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو "صمصام الاسلام" سنی جاتی، یہ مشہور مورخ واقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے، یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ امیرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جوش و خروش سے بھری ہوئی درد واثر میں ڈوبی ہوئی جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے ہیں، اور نبض تیز ہو جاتی ہے، شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہِ خدا میں جان دینے کے لئے دل بیتاب ہو جاتا ہے، اور صحابۂ کرام اور مجاہدین کے غم کے سامنے اپنا غم بھول جاتا ہے، تسلی اور تشفی اور گھر میں صبر و سکون اور تسلیم و رضا کی فضا پیدا کرنے کے لئے یہ سب تدبیریں کی گئیں، اور تھوڑے دنوں میں دلوں میں سکون پیدا ہو گیا۔

تصنیفی مشغلہ

والدہ صاحبہ مناجاتیں اور نظمیں لکھ لکھ کر اپنا غم غلط کرتیں اور اپنے دل کو تسکین دیتیں، خاندان کی بچیوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر اپنا دل بہلاتیں، مناجاتوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ "باب رحمت" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں بھائی صاحب کی توجہ اور اہتمام سے شائع ہوا اور اس پر انھوں نے میرے نام سے ایک بہت موثر

تعارفی مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب بہت جلد گھر گھر پھیل گئی، بہت سی مسلمان بیبیوں اور دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والی مستورات نے اس کو پڑھ کر مناجات کا لطف اور دعا کی لذت حاصل کی اور یہ مجموعہ نہایت مقبول ہوا[1]۔

اپنے خاندان نیز دوسری مسلمان بچیوں کے لئے انھوں نے ایک دوسری کتاب لکھی جس میں دینی و اخلاقی ہدایات اور اچھی و خوشگوار ازدواجی زندگی کے اصول و آداب اور حقوق و فرائض و امور خانہ داری کی تعلیم کی ہے، یہ کتاب بھی چند سال کے بعد "حسن معاشرت" کے نام سے چھپی اور مقبول ہوئی والدہ صاحبہ کھانے کی ترکیبوں اور نئے نئے نسخوں کی ایجاد میں بھی مجتہدانہ دماغ رکھتی تھیں، اس موضوع پر بھی انھوں نے ایک کتاب "ذائقہ" کے نام سے لکھی، جو ۱۹۳۰ء میں "نامی پریس" لکھنؤ میں چھپی اور بہت پسند کی گئی۔

والدہ صاحبہ کا میرے ساتھ معاملہ اور تعلیم و تربیت کا انداز

ادھر میری باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو والدہ صاحبہ کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آیا جب تک رائے بریلی رہتا میری نگرانی، اخلاقی اور دینی تربیت میں مشغول رہتیں

---

[1] بعد میں اسی کا ایک انتخاب نئے اضافوں کے ساتھ دو حصوں میں "کلید باب رحمت" کے نام سے مکتبۂ اسلام نے شائع کیا اور بہت جلد ختم ہو گیا، اب دوبارہ اس کتاب کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے۔

مجھے قرآن مجید کی متعدد بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرادی تھیں باوجود اس کے ان کی شفقت ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز برداری قدرۃً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں لیکن دو باتوں میں وہ بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتتی تھیں میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر اگر کبھی سو گیا، خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور نماز پڑھے بغیر ہرگز سونے نہ دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت پر جگا دیتیں اور مسجد بھیجتیں، پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں۔

دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور ان کی غیر معمولی محبت و شفقت اس میں حارج نہ ہوتی، وہ یہ کہ اگر میں کسی خادمہ کے لڑکے یا کام کاج کرنے والوں اور غریب بچوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ناانصافی کرتا یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا، تو وہ مجھ سے نہ صرف معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جوڑواتیں، اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی، مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہونچا، اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کرلینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔

جب لکھنؤ جاتا تو خطوط کے ذریعہ نصیحتیں اور ہدایتیں فرماتی رہتیں، اب ان کی تمام دلچسپیاں اور آرزوئیں سمٹ کر میرے اندر آگئی تھیں، مجھے اپنے اسلاف کا

"صحیح جانشین" اپنے نامور والد کی سچی نشانی، اپنے خاندان کی خصوصیات کا حامل، نہ صرف خاندان بلکہ اسلام کا نام روشن کرنے والا اور دین کا مبلغ اور داعی دیکھنے کی آرزو ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور چراغ زندگی تھا جس کی لَو سے ان میں توانائی، طاقت اور زندگی قائم تھی، ہر وقت اسی کی فکر، ہر وقت اسی کی دھن، ہر وقت اسی کی دعا، ہر وقت اسی کا تذکرہ۔

میرے لکھنؤ کے قیام اور میری ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں انھوں نے جو مجھے طویل اور مفصل خط لکھے ہیں، اور جن کا منتخب ذخیرہ میرے پاس بحمداللہ محفوظ ہے، وہ ان کے دلی جذبات کا آئینہ بلکہ ان کے کمالات اور خداداد صفات کا مرقع ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بالکل وہبی طریقہ پر ان کو عطا فرمائے تھے، اور جو ان کی زندگی کا اصل جوہر تھا، تعلیم یافتہ اور دین دار مسلمان والدین نے اپنی اولاد کو جو خطوط لکھے ہیں، ان کے وسیع ذخیرے میں اس خدا کی نیک بندی کے جس نے ایک محدود گاؤں کے ماحول میں آنکھ کھولی، اور نہایت مختصر اور محدود تعلیم حاصل کی، یہ خطوط ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، اگر ان کی زندگی کی کوئی اور علمی اور دینی یادگار اس کے سوا نہ ہوتی تو یہ خطوط ہی کافی تھے۔

اس ہمارے خاندان میں انگریزی تعلیم اپنے پورے عروج پر تھی، زمینداری کی فراغت، زمانہ کا تقاضا، بڑے بڑے عہدوں کا لالچ، ترقی کرنے والوں کی مثالیں یہ سب اس کی تحریک و تشویق کے لئے کافی تھیں، اور بڑے بڑے مضبوط مردوں کے

پاؤں بھی اس بہاؤ میں ڈگمگا رہے تھے، خود والدہ صاحبہ کے ایک حقیقی بھانجہ لندن میں بیرسٹری پاس کرنے کے لئے گئے تھے، اور کچھ ہی عرصہ پہلے کامیاب ہو کر آئے تھے، ایک حقیقی بھتیجہ امریکہ گئے اور اس زمانہ میں وہ وہاں تعلیم پا رہے تھے، اور ان کے خطوط برابر آتے اور پڑھے جاتے تھے، رشتہ کے ایک عزیز جرمنی اور جاپان جاکر اونچی ڈگریاں لائے تھے، ایک اور عزیز انڈین سول سروس کے لئے منتخب ہو گئے تھے، اور تعلیم کی تکمیل کے لئے لندن گئے ہوئے تھے، اور میری نوعمری ہی تھی کہ وہ وہاں سے آکر ایک بڑے عہدہ پر سرفراز ہوئے میں خود لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتا تھا، سارا ماحول ہی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا مبلغ تھا، بھائی صاحب مرحوم نے میرے لئے عربی علوم دینیہ میں کمال پیدا کرنے کا راستہ ہی منتخب کیا تھا، ان کا خود خیال تھا کہ مجھے اس راستہ کو اپنانا چاہیئے، بعض عزیزوں نے ان کو طعنہ دیا کہ یتیم بھائی کو عربی پڑھا رہے ہیں، اور ملا بنا رہے ہیں، بھائی صاحب مرحوم خاص مزاج اور انداز کے آدمی تھے، بحث مباحثہ اور سوال و جواب سے ان کو بالکل مناسبت نہ تھی، انھوں نے اس کا ایک ایسا جواب دیا کہ اس کا جواب نہ تھا، انھوں نے کہا: "کہ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں، والد ان کو پڑھاتے وہ ہم ان کو پڑھا رہے ہیں"، بھائی صاحب کے اس فیصلے اور خواہش پر والدہ صاحبہ کا جذبہ اور ان کی ایمانی قوت اور دنیاوی اعزاز و منصب سے ان کی بے رغبتی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔

چند تربیتی خطوط

ایک زمانہ میں میری طبیعت دینی تعلیم سے کچھ اچاٹ سی ہونے لگی اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری امتحانات دینے کا دورہ سا پڑا، بھائی صاحب نے کسی خط میں یا راۓ بریلی کے کسی سفر میں والدہ صاحبہ سے میرے اس نئے رجحان کی شکایت کی اس پر انھوں نے میرے نام جو خط لکھا اس سے ان کے دلی خیالات، جذبات اور ان کی قوت ایمانی اور دین سے محبت وعشق کا اندازہ ہوتا ہے، اس خط کا ایک اقتباس جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے، لیکن غالباً ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کا لکھا ہوا ہے، من وعن پیش کیا جا رہا ہے۔

"علی! دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں، تو انگریزی والوں سے کیا امید، بجز عبدہ[1] اور طلحہ کے اور تیسری مثال نہیں پاؤگے، علی! اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبہ حاصل کر رہے ہیں، کوئی ڈپٹی ہوئے اور کوئی جج، کم از کم بیرسٹر اور وکیل ہونا تو ضروری ہے، مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی والوں کو جاہل اور اس علم کو بے سود اور بالکل بیکار سمجھتی ہوں، خاص کر اس وقت

---

[1] عبدہ خاندان میں بھائی صاحب کی عرفیت تھی، طلحہ سے مراد میرے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے ہیں جو عرصہ تک اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر رہے ۱۹۷۰ء میں کراچی میں انتقال کیا۔

میں، نہیں معلوم کیا ہو اور کس علم کی ضرورت ہو، اس وقت میں البتہ ضرورت زیادہ تھی، اس مرتبہ کو تو ایک سڑا چمار بھی حاصل کر سکتا ہے، یہ عام ہے، کون ایسا ہے، جو اس سے محروم ہے وہ چیز حاصل کرنا چاہئے جو اس وقت گراں ہے، کوئی حاصل نہیں کر سکتا جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں، اور سننے کے لئے کان مشتاق ہیں، آرزو میں دل مٹ رہا ہے لیکن وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں۔

افسوس ہم ایسے وقت میں ہوئے، علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان مردوں پر نظر کرو، جنھوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گنوا دی، ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، مولوی محمد ابراہیم صاحب[۱] اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحب[۲] اور مولوی محمد امین صاحب[۳] مرحوم جن کی زندگی اور موت

---

[۱] اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی مشہور اہل حدیث عالم ہیں، جو ہمارے نانا سید شاہ ضیاء النبی صاحب کے مرید اور بڑے ربانی حقانی عالم تھے، ان کا وعظ بڑا موثر اور رقت آمیز ہوتا تھا، ان کے ایک وعظ سے ہمارے خاندان کے نوجوانوں کی بڑی اصلاح ہوئی اور ان کی کایا پلٹ گئی ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

[۲] یعنی مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے بیک واسطہ خلیفہ اور حضرت شاہ سید ضیاء النبی اور مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب کے شیخ و مرشد تھے، (باقی صفحہ ۵۳ پر)

اس وقت قابلِ رشک ہوئی، کس شان وشوکت کے ساتھ دنیا برتی، اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی، یہ مرتبے کیسے حاصل ہوسکتے ہیں، انگریزی مرتبے والے تمہارے خاندان میں سب ہیں، اور ہوں گے، مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں، اس وقت بہت ضرورت ہے، ان کو انگریزی سے کچھ انس نہ تھا، یہ انگریزی میں جاہل تھے، یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوا، علی! اگر میرے سو اولادیں ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی اب تم ہی ہو، اللہ تعالےٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں سرخرو اور نیک نام ہوں اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین یارب العالمین

میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں ہمت اور شوق دے وہ خوبیاں حاصل کرنے کا اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے آمین، اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش نہیں البتہ اللہ تعالےٰ تمہیں ان مرتبوں کو پہونچائے اور ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

علی! ایک نصیحت اور کرتی ہوں بشرطیکہ تم عمل کرو، اپنے بزرگوں کی

(باقی صفحہ ۵۲ کا) توحید وسنت کی اشاعت اور اصلاح وتربیت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، سنہ ۱۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

۳۵ مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی مراد ہیں، جن سے ضلع رائے بریلی، سلطانپور، پرتاب گڑھ اور ان کے نواح میں بڑی اصلاح اور شرک وبدعت کی بیخ کنی ہوئی، انتقال ۱۲ رجمادی الآخر سنہ ۱۳۲۹ھ میں ہوا۔

کتابیں کام میں لاؤ، اور احتیاط لازم[1] رکھو، جو کتاب نہ ہو وہ عبدو کی رائے سے خرید و باقی وہ کتابیں کافی ہیں، اس میں تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی اور کتابیں برباد نہ ہوں گی اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی مجھے بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو۔"

ان کی سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ میں اپنے بڑے بھائی کے اشاروں پر چلوں اور ان کی ہدایات پر آنکھ بند کر کے عمل کروں وہ بجا طور پر ان کو ہمہ صفت موصوف اور خاندان کی عظمت کا نشان سمجھتی تھیں، ہمارے خاندان میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے اور ان کی تفسیر موضح القرآن کو (جو ان کے قدیم تراجم کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے) ہمیشہ اہمیت دی گئی اور اس کو ایک طرح سے عورتوں اور پڑھے لکھے مردوں کے نصاب میں سمجھا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ بھائی صاحب کی تاکید کے باوجود میں نے روزانہ اس کے پڑھنے اور دیکھنے سے غفلت برتی اور زیادہ تر ادبی اور سطحی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا تھا، بھائی صاحب نے غالباً کسی خط میں والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی اس پر والدہ صاحبہ نے ایک طویل خط لکھا جس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"جب تم یہاں تھے، تو عبدو نے خاص طور سے لکھا تھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب

---

[1] اس سے مراد چھوٹا سا آبائی کتب خانہ ہے جس میں بہت سی قلمی اور مطبوعہ کتابیں بزرگوں کے زمانہ سے چلی آرہی ہیں، اور والد صاحب اور بھائی صاحب کو ان کا بہت خیال رہتا تھا، اور میں اپنے بچپن اور لاابالی طبیعت کی وجہ سے ان سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

کا ترجمہ روز دیکھا کرو اور غور کیا کرو، مگر تم نے ان کے حکم کی تعمیل نہ کی میں تلاش کر کے لائی اور روز کہتی رہی تم ٹالتے رہے اور مکرر سکرر کتابوں میں مشغول رہے، مجھے سخت ناگوار تھا مگر اس قدر بدخیالی نہیں ظاہر تھی، اس خط کو دیکھ کر جس قدر مجھے تکلیف ہوئی میں کہہ نہیں سکتی، یوں تو اس وقت کی حالت دیکھ کر مجھے کبھی اطمینان نہیں تھا مگر اس وقت تمام امیدیں خوفناک صورت میں نظر آتی ہیں۔

علی! یہ نالائقی تمہاری سخت تکلیف دے رہی ہے، مجھے تم سے یہ امید تو نہ تھی مجھے یہ خیال تھا کہ تم اپنے رفیق بھائی کے بالکل ہم خیال اور فرمانبردار ہو اسی خیال سے مجھے اطمینان تھا، مگر افسوس ہے کہ ایسے بھائی جو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے اور اپنی تمام ہمت تربیت میں صرف کرنے کو تیار ہے، اس کی کوششوں کو ہیچ سمجھ کر تمام حقوق کو بھول جاؤ، اور لاپروائی اور خودمختاری برتو، یہ وہ رفیق بھائی ہے جس نے ایسے وقت میں تم پر ہاتھ دھرا کہ سوائے خدا کے کوئی نظر نہیں آتا تھا، میں تمہاری تعلیم کے لئے بلبلاتی تھی ـــــ وہ خود ہی پریشان تھے مگر خود ہی محنت گوارا کی، جو کچھ تمہیں حاصل ہوا انہیں کے فیض سے دیکھو یہ علم ہے عمل اسے کہتے ہیں، تم ادب[1] میں ہزار بڑھ جاؤ تو عبدہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ خوبیاں تم پیدا کر سکتے ہو، کیونکہ اس وقت کے خیالات یہ موقعہ ہی

---

[1] عربی ادب جس کی تعلیم راقم الحروف نے خلیل عرب صاحب سے پائی تھی، اور اس میں کمال پیدا کرنے کا شوق غلو کی حد تک تھا۔

کب دیں گے، عبدو ایسا عالم اور قابل شخص اگر اس وقت میں دیکھنا چاہو تو نہیں پا سکتے، تمہارے خاندان کی ہر خوبی کا نشان عبدو ہیں"

آگے چل کر تعلیم میں انہماک، جفاکشی اور قدیم طالب علمانہ صفات کی تلقین کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

"تمام باتوں کا شوق بے کار سمجھو، شوقین مزاج والوں سے دلچسپی نہ رکھو طالب علموں کو صرف پڑھنا چاہیئے، کپڑے پھٹے ہوں یا جوتہ، کچھ شرم کی بات نہیں، بلکہ فخر کرنا چاہیئے یہ حالت فلاح بہبودی کا باعث ہوتی ہے، انھیں تکلیفوں میں علم کی قدر ہوتی ہے، عقلمند اور خوش نصیب وہ ہے جو نایاب چیز حاصل کرے، وہ کیا ہے، شریعت کی پابندی، اس وقت کا علم عام ہے، یہ ہر کسی کو میسّر ہے، دو چار کتابیں لے لیں بس قابل ہو گئے، ہزاروں خطرے پیش نظر رہتے ہیں، یہ خط اگر دل چاہے، غور سے دیکھنا اور اکثر اس پر نظر ڈالتے رہنا"

ایک اور خط میں علوم دینیہ اور عربی تعلیم پر پوری توجہ صرف کرنے اس میں امتیاز پیدا کرنے اور علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

"اب عربی میں محنت کرو، مگر بے قاعدہ نہیں، صحت کا ضرور خیال رکھو، تندرستی ہے تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے، اگر تم اتنی محنت عربی میں کرتے تو آج بہت کچھ حاصل ہو جاتا[1]، توجہ کرکے جو کتابیں باقی ہیں، پوری کر لو اور جہاں تک

---

[1] اس زمانہ میں آپ نے بے قاعدگی اور بے اعتدالی کیساتھ انگریزی کتابیں پڑھنی شروع کی تھیں جن سے صحت اور آنکھ پر بہت اثر پڑا تھا

ممکن ہو اگلے علمار کی سی لیاقت پیدا کرو، وہی معلومات حاصل کرو کہ کوئی بات
شریعت کے خلاف نہ ہو اور تمام مسئلوں سے بخوبی واقف ہو جاؤ، اس وقت
اسی علم کی ضرورت ہے اس وقت کے علمار کچھ نہیں جانتے اور فتنہ پیدا کرتے
ہیں، میری دلی تمنا ہے کہ تم علم میں وہ مرتبہ حاصل کرو جو بڑے بڑے علمار
نے حاصل کیا جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں، کان مشتاق ہیں،
دل شوق میں مٹا جاتا ہے، علی! اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں اللہ تعالےٰ
سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں وہی خوبیاں عطا کرے کہ وہی وقت آجائے۔ آمین"

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتی ہیں:

"علی! مجھے خدا کی رحمت سے یہ امید قوی ہے کہ تم کسی کے مرتبہ اور کامیابی
کا اثر نہ لوگے، کیونکہ یہ عام ہے، اور فنا ہونے والی، قابل رشک وہ ہے جو ہزار
میں ایک کو ملے اور پھر خدا کی طرف سے ہو ع

قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

تمہیں اس پر فخر کرنا چاہیے، نہایت ہمت اور قوت سے کرنا چاہیے، خدا سے
دعا کرتی ہوں کہ تمہیں اس سے ایسی دلچسپی پیدا کرتا رہے کہ تمام خوبیوں پر
ترجیح دیتے رہو، اگر تمہیں ججی ملتی، یا اور کوئی مرتبہ حاصل ہوتا جو عام ہے، تو
مجھے اس کے ساتھ ہزار خطرے پیش نظر رہتے، اس نے مجھے تمام برائیوں سے

محفوظ رہنے کے لئے ایسی بہتر صورت پسند کی جو خود حافظ اور نگہبان ہوگا،
میری فکر کی کوئی ضرورت نہیں، بجائے فکر کے میرے دل کو ہر وقت وہ خوشی حاصل
ہوتی ہے، جو کسی ذی مرتبہ کو حاصل نہیں ہے۔"

ان کی بڑی خواہش تھی کہ میں خالص دینی وعظ کہنے اور اللہ و رسول کے احکام
سنانے کے قابل بنوں اور لوگوں کو دینی نفع پہونچے، اسی خط میں فرماتی ہیں۔

"تمہیں انشاء اللہ رمضان میں وعظ کہنا ہوگا، تیار ہو جاؤ، اللہ تعالےٰ میری
خواہش پوری طور سے پوری کرے۔ آمین"

میرے طویل طویل سفر اور والدہ کا ایثار اور دین کی خاطر قربانی و مجاہدہ

والدہ صاحبہ کے لئے سخت مجاہدہ اور امتحان بلکہ جہاد اکبر، میرے طویل طویل سفر
تھے، جو اللہ تعالےٰ کی بہت سی معلوم اور نہ معلوم حکمتوں کی بنا پر گویا میرے لئے مقدر
ہو چکے ہیں، جس سراپا شفقت اور کمزور دل کی ماں کا یہ حال ہو کہ لکھنؤ میں ہونے کے
باوجود بھی اگر خط میں دیر ہو تو بے چین ہو جائیں، اس کے لئے ملک اور ملک سے باہر کے
طویل طویل سفر اگر جہاد اکبر نہیں تو اور کیا ہے، شاید اللہ تعالےٰ نے اسی میں ان کو جہاد کا
بہت کچھ ثواب دے دیا ہو۔

غالباً ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سے تفسیر پڑھنے کے شوق میں
اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے لاہور گیا، وہاں سے قادری سلسلے کے

ایک بڑے بزرگ جو خود حضرت مولانا احمد علی صاحب کے شیخ تھے، حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری کی زیارت اور ملاقات کے لئے پنجاب اور سندھ کی سرحد خان پور جانے کا ارادہ کیا، اور والدہ صاحبہ کو اس ارادہ کی اطلاع کی، اس کے جواب میں انھوں نے تحریر فرمایا:۔

"تم نے سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، اس سے فکر ضرور پیدا ہو گئی نہیں معلوم وہ کدھر ہے، اور وہاں کے حالات کیا ہیں، اور کتنے روز رہنا ہو گا اگر عبدوا اور طلحہ کی رائے ہے تو مناسب ہے مگر تم کل حالات سے اطلاع دو تو بہتر ہے کہ اطمینان ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمہیں پوری کامیابی حاصل کرائے بس یہی آرزو ہے، یہی وجہ تھی جو اس دور دراز سفر کو تمہارے لئے گوارہ کر لیا، ورنہ ایسے دل والوں کے لئے سخت دشوار اور ناممکن تھا منظور کرنا ہیں تمہیں اس کی حفاظت میں دے چکی، وہی خوب حفاظت کرنے اور ساتھ دینے والا ہے میں کیا کر سکتی ہوں ؎

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

بس یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہوں اور پورا یقین ہے، اس کی رحمت پر اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ وہ تمہیں توفیق دے نیک کاموں کی اور علوم دین کے پورے مرتبہ کو پہونچائے اور ثابت قدم رکھے کہ دنیا اور آخرت

میں نیک نام ہو۔"

اس کے بعد تو سفروں کا تانتا بندھ گیا اور بیرون ملک کے وہ سفر شروع ہوئے جن میں سے بعض میں ایک سال سے زیادہ مدت لگ گئی، اس عرصہ میں مصر و شام و حجاز کے پتے پر ان کے جو خطوط آئے وہ شفقت مادری اور قوت ایمانی دونوں کا ایک دلکش مرقع ہیں، طوالت کے خوف سے ان خطوط کے اقتباسات پیش نہیں کئے جاتے۔

دعوت و تبلیغ کا ذوق

سنہ ۱۹۴۰ء (سنہ ۱۳۵۹ھ) میں میری حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی حاضری ہوئی یہاں سے میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، یہ گویا ایک نئی دنیا کی دریافت تھی، اور ایک نئی شخصیت اور حقیقت کا انکشاف، دہلی سے واپسی پر میں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جو زیادہ تر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور طالب علم تھے، لکھنؤ اور اس کے قرب و جوار میں تبلیغی جماعت کے اصول پر اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی روحانی سرپرستی میں ٹوٹا پھوٹا تبلیغی کام شروع کیا اس سے سب سے زیادہ خوشی والدہ صاحبہ اور بھائی صاحب کو ہوئی، دونوں کا اصل ذوق اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا دین کی اشاعت، اور تبلیغ و دعوت کا کام تھا، کچھ عرصہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والدہ صاحبہ کو میرے کسی خط یا کسی کی گفتگو سے ایسا احساس ہوا کہ وہ پہلا سا ذوق و شوق نہیں رہا، اس پر انھوں نے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا، اسی زمانہ کے

ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں:

"تبلیغ میں کوشش کرتے رہو کہ ترقی ہو، ابتدا میں جو جوش اور شوق تھا نہیں، عبد د کو بھی اس میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ ابتدائی حالت نہیں رہ سکتی، مگر سلسلہ جاری رہے تو شوق بھی بڑھتا رہے گا، اللہ تعالے سے یہ دعا ہے کہ تم سے وہ کام کروائے جو اپنے نیک اور مقبول بندوں سے کرواتے ہیں، اور تکبر اور غرور، ریا سے بچائے اور تمہاری ترقی و کامیابی قابل رشک ہو، آمین، اللہ تعالے میری دعائیں سب قبول کرے، آمین

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک مکتوب

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے کام سے میرا ربط برابر بڑھتا گیا اور قدرتاً گھر میں ان کا اور ان کی بزرگی کا تذکرہ بھی ہر وقت رہنے لگا، خود میں اپنے خطوط میں یا زبانی گفتگو میں والدہ صاحبہ اور بھائی صاحب کی اس کام سے خوشی اور ان کی پسندیدگی کا تذکرہ بھی وقتاً فوقتاً کرتا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعض خطوط میں اس پر مسرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا گیا ہے، اور بلند الفاظ میں والدہ صاحبہ کا تذکرہ ہے، ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"جناب کا اور برادر محترم اور سب سے بڑھ کر حضرت عالیہ مخدومہ محترمہ جنابہ والدہ صاحبہ کا اس کو قبولیت کی نظر سے توجہ فرمانا یہ جناب کی

خوبی کی شہادت اور طبیعت کی موزونی کی خبر دے رہا ہے، اور مجھ ناچیز تہی دست کے لئے ایک مبارک دامن تلے آنے کی جھلک دکھلا رہا ہے، اسی قدر اس کام کے لئے اپنے معدن میں پہونچنے کی امید دلا کر دنیا میں کچھ قیام کرنے اور جڑ پکڑنے کی امید دلا رہا ہے، "اللّٰھم اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ" حضرت والدہ صاحبہ کو میرا سلام بھی تحریر فرمادیں اور دعا کے لئے درخواست فرمادیں۔[1]

حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت و ارادت اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تجدید بیعت

یہ تعلق یہاں تک بڑھا کہ (جولائی ۱۹۴۳ء) رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا میری ناچیز دعوت اور خواہش پر رفقاء اور خدام کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے، اور پورا ایک ہفتہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا، مزید کرم اور ذرہ نوازی یہ فرمائی کہ ہمارے وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی (۲۵ر جولائی ۱۹۴۳ء ۲۲ر رجب ۱۳۶۲ھ بروز اتوار قدم رنجہ فرمایا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی اور چند اور رفقاء ساتھ تھے، والدہ صاحبہ اس وقت تک کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں،

---

[1] مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ صفحہ ۲۱، ۲۲ (مطبوعہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی)

ایک خواب کی بنا پر جس میں ان کو خیال تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیعت میں قبول فرمالیا ہے، انھوں نے خود اپنے والد ماجد سے جو شیخ کامل تھے بیعت کی ضرورت نہ سمجھی لیکن اس موقعہ پر ان کے دل میں بیعت کا تقاضہ پیدا ہوا، اور انھوں نے مجھ سے اس کا اظہار کیا، میں نے مولانا سے عرض کیا، مولانا نے نماز استخارہ کے بعد فوراً ہی اس کو قبول فرمالیا، اور والدہ صاحبہ دوسری عزیز مستورات کے ساتھ داخل بیعت ہو گئیں، مولانا کی زندگی تک یہ تعلق و ربط قائم رہا۔

مولانا کی وفات کے بعد لکھنؤ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی کی کسی آمد کے موقعہ پر جو ہمارے یہاں برابر ہوتی رہتی تھی، تجدید بیعت کی، ہمارا گھر تقریباً پورا اس وقت تک مولانا مدنی ہی سے بیعت تھا، اس لئے اس کا خیال پیدا ہونا خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد کچھ خلاف قیاس نہیں۔

سفر حج و زیارت

۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث نے میرا حجاز بسلسلۂ دعوت و تبلیغ جانا تجویز فرمایا مجھے اس وقت تک حج کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ والدہ صاحبہ، اہلیہ اور ہمشیرہ کو بھی ساتھ لے جاؤں اور اپنے رفیق و معاون کے طور پر میرے

بڑے بھانجہ عزیزی مولوی محمد ثانی سلمہٗ بھی ساتھ ہوں ہمارے خاندان میں اللہ تعالےٰ کی بہت سی نعمتوں اور سعادتوں کے باوجود حج کا سلسلہ عرصہ تک بند تھا آخری فرد خاندان جو حج سے مشرف ہوئے وہ میرے بھائی صاحب تھے جنھوں نے ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ئہ) میں حج کیا، والد صاحب اور ہمارے خاندان کے دوسرے افراد کو مختلف معذوریوں کی بناء پر شدید تمناؤں کے باوجود یہ موقع نہ ملا تھا۔

(۷رشعبان ۱۳۶۶ھ بروز پنجشنبہ (۲۶رجون ۱۹۴۷ئہ) میں ہمارا چھوٹا سا قافلہ جو پانچ افراد پر مشتمل تھا، کراچی کے راستہ حجاز کو روانہ ہوا) کراچی میں تبلیغی جماعت کے اہم کارکن اور کراچی کے بڑے تاجر حاجی عبدالجبار صاحب نے اپنے بڑے بھائی حاجی عبدالستار صاحب دہلوی کی کوٹھی پر ہمارے قیام کا انتظام کیا اور ان کے سارے گھر نے میزبانی کا حق ادا کیا۔ گیارہ روز کراچی قیام رہا پھر اسلامی جہاز سے ہم لوگ حجاز روانہ ہوئے، ایک ممتاز تبلیغی جماعت ساتھ تھی، والدہ صاحبہ اہلیہ اور ہمشیرہ فرسٹ کلاس کے کیبن میں تھیں اور ہم دونوں ڈیک کے مسافر تھے۔

اس سفر میں قدم قدم پر جو غیبی مددیں جو بے سان و گمان آسانیاں جو راحت کے سامان، جو رفقائے جہاز کی اخوت و محبت، جو سرزمین حجاز پر خدا کی مددیں اور دست گیریاں ہوئیں، ان کو میں والدہ صاحبہ کی مقبولیت اور ان کی ضعیفی اور کبرسنی پر رحم و کرم کا نتیجہ سمجھتا ہوں، ایسے ذوق و شوق کا سفر اور ایسی کھلی مددیں اس کے بعد کے سفروں میں بار بار متعدد بار پیش آئے کم تر ہی دیکھنے میں آئیں۔ ذلك فضل الله

یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

جدہ میں اس دن پہونچنا ہوا جس دن رمضان کا چاند دیکھا گیا، دو روزے جدہ میں رکھکر ۲؍ رمضان کی شب میں ہم لوگ مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، مولانا محمد منظور صاحب کی کتاب "آپ حج کیسے کریں" میں اپنے مضمون "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" میں اس سفر کے کچھ حالات لکھ چکا ہوں یہ وہ سفر تھا ـــــ جو والدہ صاحبہ کی ہمرکابی میں ہوا، اللہ کا فضل خاص تھا کہ مدینہ کا رمضان نصیب ہوا، شوال کا مہینہ بھی وہیں گزرا ۲۰؍ ذی قعدہ کو ہم لوگوں نے حج کا احرام باندھا "باب النساء" کے بالکل سامنے مدرسہ علوم شرعیہ کے ایک دو منزلہ مکان میں ہم لوگوں کا قیام تھا مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمود صاحب کی مہربانی سے یہ دو منزلہ مکان پورا ہم لوگوں کو ملا ہوا تھا، والدہ صاحبہ کی پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں ہی ہوتی تھیں، ایک شب احد میں مولانا سید محمود صاحب کے مکان میں گزری اور دن بھر وہاں رہنا ہوا۔

مکہ معظمہ میں حج سے پہلے رباط ٹونک اور حج کے بعد مدرسہ فخریہ میں جو باب ابراہیم پر حرم شریف ہی میں داخل تھا قیام رہا، طواف اور نمازوں میں بڑی سہولت تھی، عرفات میں والدہ صاحبہ سب سے الگ ہوکر برابر دعا اور مناجات میں مشغول رہیں، تبلیغی رفقاء بالخصوص مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری کی رفاقت و معیت سے ہمارے قافلہ کو بڑی ہی راحت پہونچی، حج کے بعد مکہ معظمہ میں باطمینان رہنے کا موقع ملا، غالباً تین مہینے وہاں گذرے۔

واپسی

ہم لوگ مدینہ طیبہ ہی میں تھے کہ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان بنا، کشت وخون اور لرزہ خیز واقعات کی اطلاعات برابر پہونچ رہی تھیں، ہندوستان کے مسلمانوں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ہم سب کا دل لگا ہوا تھا، یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ہم کن کن کو زندہ اور سلامت دیکھیں گے اور کس سے اب قیامت ہی میں ملنا ہوگا دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہم لوگ ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، بھائی صاحب کی ہدایت کے مطابق ہم لوگ کراچی نہیں اترے (جہاں سے ہم لوگوں نے سفر شروع کیا تھا) بلکہ بمبئی آئے اور وہاں سے جیسا کہ اس زمانہ میں انتظام تھا، مسلح پولیس کی حفاظت میں اس ڈبہ میں جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا ہم لوگ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے، لکھنؤ پہونچکر الحمد للہ اپنے سب عزیزوں اور دوستوں کو بخیریت پایا اور سب کی خیریت کی خبر سنی۔

لکھنؤ اور رائے بریلی کا قیام

حج سے واپسی کے بعد والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر رائے بریلی رہنے لگا، کبھی بھائی صاحب کی خواہش پر لکھنؤ آکر ہفتوں اور مہینوں قیام کرتیں، ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ بروز یک شنبہ (۷ مئی ۱۹۶۱ء) میں بھائی صاحب کا لکھنؤ میں انتقال ہوا،

یہ حادثہ والدہ صاحبہ کے لئے ضعیفی میں بہت سخت اور جانکاہ تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ سب سے بڑا صدمہ تھا جو انھوں نے برداشت کیا، اس کے بعد سے اب قیام گویا مستقل رائے بریلی ہی ہوگیا، لیکن اسی سال ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ (ستمبر ۱۹۶۱ء) میں وطن میں سخت سیلاب آیا، گھروں تک کے اندر پانی آگیا، مجبور ہو کر ہم سب لکھنؤ منتقل ہوئے اور تقریباً ایک سال وہاں رہنا پڑا، یہ والدہ صاحبہ کا آخری سفر تھا، جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ (اکتوبر ۱۹۶۲ء) میں لکھنؤ سے رائے بریلی واپسی ہوئی پھر اس کے بعد سفر آخرت ہی فرمایا، اور رائے بریلی سے باہر کہیں جانا نہیں ہوا۔

سحر خیزی اور اوراد و وظائف کی کثرت

اب ضعف و کبرسنی بڑھتی جا رہی تھی، ۱۹۳۱ء میں والدہ صاحبہ نے بھائی صاحب کے مشورے سے یکے بعد دیگرے دونوں آنکھوں کا موتیا بند کا آپریشن کرایا تھا، جو کامیاب رہا لیکن پڑھنے لکھنے کی مشغولیت اور ضروری احتیاطیں ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے چند سال کے بعد نظر بہت کمزور ہو گئی اور ۱۹۶۳ء میں تقریباً روشنی جاتی رہی، لیکن معمولات کی پابندی اور اوراد و وظائف اور دعا و مناجات کی مشغولیت میں اضافہ ہی تھا کمی نہ تھی، صرف قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا ممکن نہ تھا، مجھے جب سے ہوش ہے، میں نے ان کو تہجد کا پابند پایا، روز بروز سحر خیزی میں

اضافہ تھا، اور اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا ان کی اصل خوشی اور ذوق کا وقت وہی ہوتا تھا، باوجود اس کے کہ اکثر ان کی آنکھ خود کھل جاتی، الارم لگانے کا بڑا اہتمام رکھتیں گھڑی صحیح رکھنے اور طلوع و غروب کے صحیح وقت معلوم کرنے کا بڑا اہتمام تھا آخر میں ہم لوگوں کی کوشش رہتی تھی کہ ضعف اور مختلف قسم کی شکایتوں کی بنا پر وہ بہت پہلے سے نہ اٹھیں، مگر وہ نہیں مانتی تھیں، آخر میں مجھے تاکید تھی کہ جب میں صبح کی نماز کے لئے جانے لگوں تو ان کو بتادوں روزانہ تقریباً یہ ہوتا تھا کہ جب میں کہتا کہ صبح ہوگئی تو وہ اس حسرت کے ساتھ پوچھتی تھیں کہ جیسے کچھ پہلے ہوگئی، اور کچھ حسرت رہ گئی۔

کبرسنی اور معذوری میں انکی خدمت و تیمارداری

اخیر میں بطور خود نقل و حرکت بھی ان کے لئے دشوار ہوگئی تھی بغیر سہارے کے ان کا چند قدم چلنا بھی مشکل ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی اور عنایتوں کے ساتھ ان پر ایک خاص عنایت یہ تھی کہ ان کو ایسی سعادت مند فرمانبردار اور خدمت گزار اولاد اور اولاد کی اولاد عطا فرمائی جنھوں نے کسی لاچاری اور بے بسی کا احساس ہی نہ ہونے دیا ایک طویل عرصہ تک ان کی ایسی خدمت ہوئی جو بڑے بڑے باوجاہت اور صاحب حیثیت مردوں اور عورتوں کو نصیب نہیں ہوتی، ہر ایک ان کی خدمت کرنا اور ان کو راحت پہونچانا اپنے لئے نہ صرف سعادت بلکہ عبادت سمجھتا تھا، اور دل و جان سے اس کے لئے حاضر تھا، میری دو بڑی بہنیں ہیں، اور دونوں برسوں سے ان کے قریب ہی بلکہ ان کے

اس رہیں، ایک عزیزان مولوی محمد ثانی، محمد رابع اور محمد واضح سلمہم کی والدہ امۃ العزیز صاحبہ
خود اور ان کی پوتیاں ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد اور حاضر رہیں، دوسری بہن جو ماشاء اللہ
خود صاحب قلم اور شاعرہ ہیں، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ "رضوان" کی ایڈیٹر اور "زادِ سفر" کی مصنفہ
والدہ صاحبہ کی خدمت و رفاقت کی سعادت کا سب سے بڑا حصہ انھیں کے نصیب میں آیا،
ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ اور وظیفہ والدہ صاحبہ کی خدمت، دیکھ بھال اور علیل
ہوں تو تیمارداری رہی اور انھیں کو سب سے زیادہ طویل عرصہ تک اور مسلسل طریقے پر
اس کا شرف حاصل ہوا، ہم بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ انھیں نے یہ دولت کمائی۔

اسلام کے غلبہ اور دین کے فروغ کی آرزو

کبرسنی کے باوجود حواس اور سماعت میں ادنیٰ فرق نہیں آیا تھا، دل ودماغ
پورے طور پر اپنا کام کرتے تھے، بعض نئی باتیں تو بھول جاتی تھیں، اور جن کی نئی آمد و رفت
شروع ہوئی تھی، ان کے ناموں کا تو کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا، لیکن پرانے لوگ ان کو
خوب یاد تھے، اور بعض ایسی ایسی چھوٹی پرانی باتیں یاد دلاتیں کہ حیرت ہو جاتی، غالباً
یہ ان کی خوش اوقات ہونے اور اوراد و وظائف کی برکت تھی کہ آخر تک صحیح الحواس رہیں
اور دل ودماغ نے اپنا کام کرنا کبھی نہیں چھوڑا۔

اس زمانہ میں بھی ان کو اسلام کے غلبہ، دین کے فروغ کی حد درجہ آرزو تھی، اس کی
ہر خبر سے ان کا رویاں رویاں تازہ ہو جاتا تھا، اور وہ اپنا غم بھول جاتی تھیں، ان کی سی

دین کی حمیت اور اس کے غلبہ کا شوق میں نے اچھے اچھے مردوں میں نہیں دیکھا، ہر وقت اسی کی دھن اور اسی کی فکر رہتی تھی، کبھی کبھی اس لحاظ سے ان کے اندر ان کے شیخ اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی، بہت بے چین ہوتی تھیں تو اشعار میں اپنے اس جذبہ اور آرزو کا اظہار کرتی تھیں، خود لکھ پڑھ نہیں سکتی تھیں، عزیزی محمد ثانی کی لڑکی، یا ہمشیرہ کو لکھوا دیتیں، دشمنانِ اسلام سے اور اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والوں سے (جن کا تذکرہ مجلس میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا) سخت نفرت تھی، اور ان پر ان کو سخت غصہ آتا تھا، اور یقین ہے کہ ان کے لئے ہدایت کی دعائیں یا ہلاکت کی بد دعائیں بھی کرتی ہوں۔

میرے لئے ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے دین کی تقویت اور اسلام کی اشاعت ہو، کبھی کبھی مجھ سے پوچھتیں، علی! تمہارے ہاتھ پر کبھی کوئی مسلمان بھی ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں، اِکّا دُکّا کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے، فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعت کی جماعتیں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوں، ایک روز بڑی ٹھنڈی سانس لے رہی تھیں، چھوٹی ہمشیرہ نے کہا کہ آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ علی نبی ہو جائیں؟ فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہو گئی، میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعتوں کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے۔

سنت کی پیروی اور دنیا سے بیزاری

آندھی بلکہ تیز ہوا، سخت بارش اور چمک گرج سے ان کو بڑی وحشت اور گھبراہٹ ہوتی تھی، اور فوراً وہ ایسے موقع پر کونے میں چلی جاتیں، اور دعا میں مشغول ہو جاتیں، اس میں بھی غیر اختیاری طور پر ایک سنت کی پیروی تھی، عمر جتنی بڑھتی جاتی تھی، اور دنیا کے حالات و واقعات سننے میں آتے تھے، ان کو اپنے اس وقت تک زندہ رہنے، اور ان حالات کے دیکھنے پر سخت رنج اور فکر رہتی تھی، لیکن مرضی الٰہی پر صابر و شاکر رہتی تھیں، اکثر ٹھنڈی سانسیں لے کر فرماتی تھیں کہ یہ معلوم نہ تھا کہ میں ان حالات کے دیکھنے کے لئے زندہ رہونگی، معلوم نہیں، اللہ کو اور کیا منظور ہے، اور کیا کیا دیکھنا باقی ہے، قربِ قیامت کے فتنوں سے ساری عمر ڈرتی رہیں، ابتدائے عمر میں علامات قیامت اور آثار محشر کے متعلق جو کچھ سنا اور پڑھا تھا وہ دل پر نقش تھا، اور ایک ایک حرف پر یقین، ان فتنوں سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہتی تھی، اور اس کے لئے دعائیں کرتی تھیں۔

جمعہ کے دن بہت پابندی سے سورۂ کہف کے پڑھنے کا معمول تھا جس کے پڑھنے کی حدیثوں میں بہت فضیلت آئی ہے، اور اس کو فتنۂ دجال سے حفاظت کے لئے تریاق بتایا گیا ہے، مجھ سے بھی اس کی بڑی تاکید کرتی تھیں، اور وقتاً فوقتاً پوچھتی رہتی تھیں کہ پڑھتے ہو کہ نہیں؟

محبوب ترین مشغلہ

اس زمانہ میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ان کا محبوب معمول قرآن مجید کے ان رکوعوں، آیات، اسمارِ حسنیٰ اور درود شریف کے ان خاص صیغوں کو پڑھ کر جن کے خاص فضائل اور برکات کتابوں میں یا ان کے تجربے میں آئے تھے اپنے سب چھوٹوں اور گھر والوں پر دم کرنا تھا، پڑھنے میں تقریباً ان کو پون گھنٹہ گھنٹہ لگ جاتا تھا، پھر دم کرنے کا ایک طویل سلسلہ رہتا تھا، اخیر میں وہ بہت ضعیف و نحیف ہو گئی تھیں لیکن معمولات کے پورا کرنے اور اوراد کے پڑھنے میں خدا جانے کہاں سے طاقت آجاتی تھی، کہ وہ قوی اور تندرست معلوم ہوتی تھیں، چند دن کی بات ہے کہ میں اور میرے بھانجے بھتیجے بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ پڑھ رہی تھیں، ہم لوگوں نے کہا کہ یہ قوت معلوم نہیں کہاں سے آرہی ہے؟ یہ محض روحانیت ہے، دم کیا ہوا پانی بھی ہمیشہ رکھا رہتا تھا، اور نزدیک و دور کے مریض اور اہل حاجت آ آ کر برابر لے جاتے تھے، اور اس کے نفع اور خدا کی دی ہوئی صحت و برکت کا ذکر کرتے تھے۔

ہر مرتبہ جب کسی بیماری کا حملہ ہوتا تو ہم لوگ سمجھتے تھے کہ یہ چراغ سحری اب بجھا، جسم میں مقابلہ کی کوئی طاقت باقی نہ رہی تھی، صرف ایک یقین، ذوق اور اللہ کے نام کی برکت تھی کہ وہ اپنے معمولات اور اذکار بہت پابندی سے پورا کرتی تھیں جو دن گذر رہا تھا، ہم اس کو غنیمت سمجھتے تھے، میرا یہ حال تھا کہ میں کبھی ان کی عمر کا حساب نہیں کرتا تھا اور

نہ کسی کو کرنے دیتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ سایہ اور ماں کے پاؤں تلے کی یہ جنت[1] ہمارے گھر میں جتنے دن رہے، اللہ کی عنایت اور مہربانی ہے۔

میرا سفر بھوپال اور والدہ کا ایثار

بالآخر جس کا ڈر تھا اور جو ناگزیر ہے، وہ گھڑی پیش آگئی، ۲۳ر اگست ۱۹۶۸ء کو جب وہ بیماری کے ایک ہلکے حملہ سے سنبھلیں تو میں نے عرض کیا کہ دہلی اور بھوپال کے ایک سفر کی ضرورت ہے لیکن سب سے مقدم آپ کی خوشی اور رضامندی ہے، میں نے معذرت کا خط بھی دہلی لکھ دیا تھا، لیکن ان کی طبیعت میں افاقہ دیکھ کر ذکر کرنا مناسب سمجھا، ان کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ تھا، لیکن انھوں نے اپنے کو سنبھال کر جواب دیا کہ اللہ نے تم کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے لئے جاؤ، مگر کب تک آجاؤ گے؟ میں نے کہا کہ اگلے جمعہ کو ضرور اور نہ سنیچر میں تو فرق نہیں ہوگا (یہی روز ہے جس دن ان کی وفات ہوئی) فرمایا اچھا جاؤ، چلتے وقت مجھے معمول کے مطابق رخصت کیا اور الفاظ قرآنی اور ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔

مرض الموت اور ایک مبارک خواب

۲۸ر اگست کی صبح کو عزیزی محمد ثانی کا تار بھوپال میں ملا کہ "نانی صاحبہ کی طبیعت

---

[1] حدیث میں آتا ہے "الجنة تحت اقدام الامھات"۔

اچھی نہیں، آپ جلد واپس آجایئے" جس پریشانی کے عالم میں وہاں سے واپسی ہوئی، خدا وہ پریشانی پھر نہ دکھائے، سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ میں ان کی زندگی میں پہونچ جاؤں، بھائی صاحب کی تدفین تک میں نہ شریک ہونے کا داغ عمر بھر رہے گا، موت برحق ہے، کسی نہ کسی دن یہ واقعہ پیش آنے والا ہے، اس کو ٹالا نہیں جا سکتا، اللہ نے فضل فرمایا کہ میں پنجشنبہ ۲۹ر اگست کی صبح کو رائے بریلی پہونچا، معلوم ہوا کہ میری روانگی کے ایک روز بعد ہی رات کو جب تہجد کے لئے اٹھیں اور پیشاب کے لئے چوکی پر بٹھایا گیا تو اندھیرے اور نیند میں اندازہ نہیں ہوا، ہاتھ چھوڑ دیا گیا اور گریں شانہ اور کلائی کی ہڈی پر ضرب آئی۔

تار سے...... ان کو میری روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی، اور اس سے ان کو بڑی خوشی ہوئی تھی، میں جب پہونچا تو فرمایا کہ آدھی قوت آگئی، سلام کیا، قریب بلایا اور فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ "میرے جسم کے روئیں روئیں سے اللہ کی حمد و ثنا نکل رہی ہے، اور عجب سرور و ذوق ہے۔" میں نے کہا کہ یہ خواب تعبیر کا محتاج نہیں، بہت مبارک ہے، جمعہ بھی کسی قدر غنیمت گذرا، لیکن ہڈی کی تکلیف زیادہ تھی۔

سفرآخرت

سنیچر کی رات بے چینی سے گذری، ظہر کی نماز ہوش و حواس کے ساتھ پڑھی، اور انگلی پر ذکر شروع کر دیا، اس کے بعد ہی سفر آخرت کی منزل شروع ہو گئی اپنی تین مرتبہ

بہنوں کا نام لے کر کہا کہ وہ لکھنؤ آگئیں، اس کے بعد ہی نزع کی کیفیت شروع ہو گئی، سانس سے اسم ذات اللہ، اللہ کی آواز آنے لگی، جب یہ آواز موقوف ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سب لوگوں کو چھوڑ کر اپنے اس خالق و مالک کے پاس پہونچ گئیں جس کا ساری عمر نام لیتی رہیں، اور اس کے در رحمت پر ہمیشہ دستک دیتی رہیں۔

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ	اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب
اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ	کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی
فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔	پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو
(الفجر ۲۷۔۳۰)	میری بہشت میں۔

اگلے روز اتوار ۷ رجمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ یکم ستمبر ۱۹۶۸ء کو صلحاء، علماء، طلباء، اور تبلیغی جماعت کے افراد کے ایک بڑے مجمع نے نماز جنازہ پڑھی اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو، اور شیخ المشائخ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ کے پائنتی ہمیشہ کے لئے آسودۂ خاک ہو گئیں، پورے ۴۷ سال کی مفارقت کے بعد اپنے باکمال شوہر اور رفیق زندگی سے جا ملیں، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک اسی مہینے جمادی الآخرہ (۱۳۴۱ھ) میں والد ماجد نے انتقال کیا تھا۔

ملک اور بیرون ملک سے تعزیت کے جو خطوط آرہے ہیں، ان سے دعائے مغفرت اور بہت وسیع پیمانے پر ایصال ثواب کی اطلاعیں ملیں . . . نیز بزرگان دین مشائخ وقت اور خدا کے مقبول بندوں کے تعزیت ناموں سے اللہ کی رحمت اور ان کی

مقبولیت کی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔

جو بیبیاں اور جو مرد اس مضمون کو پڑھیں، ان سے بھی درخواست ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب سے دریغ نہ فرمائیں کہ دنیا سے جانے والے کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت اور اسی سے خوشی ہوتی ہے، اور ہر چھوٹا بڑا اس کا محتاج ہے۔

زندگی کے آخری ایام

مولوی محمد ثانی حسنی

زندگی کے آخری ایام

نانی صاحبہ (سیدہ خیر النساء صاحبہ) زندگی کے آخری برسوں میں بالکل معذور ہو گئی تھیں، آنکھوں سے کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا صرف روشنی کا احساس ہوتا، اور ہلکی سی پرچھائیں نظر آتی تھی، لیکن ذہن و دماغ پوری طرح کام دیتے تھے، پیروں کی طاقت بالکل جواب دے چکی تھی، رفع حاجت یا کسی سخت ضرورت پر اگر کہیں جانا ہوتا تھا تو سہارے سے لے جائی جاتی تھیں باوجود اس ضعف و نقاہت اور کبر سنی کے کہ عمر نوّے سے تجاوز کر گئی تھی، ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن، نوافل کی ادائیگی کا بڑا اہتمام تھا، ان کے پاس خاندان کی بیبیاں، لڑکیاں اور عزیز و اقارب برابر آتے جاتے اور ان کی خدمت میں بیٹھکر خیر و برکت حاصل کرتے۔

جہاں تک ہمارا علم اور مشاہدہ ہے، زندگی کے آخری شب و روز کے چند گھنٹوں کے سوا جو سونے میں صرف ہوتے تھے کوئی لمحہ یادِ الٰہی یا دینی باتوں کے کہنے اور سننے کے علاوہ

نہیں گزرتا تھا، انھوں نے اب سے چالیس برس پہلے خدا کی جناب میں جو عرض کیا تھا، اور جو دعا مانگی تھی، وہ خدا نے بدرجۂ اتم قبول کی، انھوں نے کتنے جذبہ سے عرض کیا تھا،

ہے فکر تو یہ ہے تجھے بھولوں نہ کسی دم　　جینے کی تمنا ہے نہ مرنے کا مجھے غم
فرق آنے نہ پائے رہِ تسلیم و رضا میں　　چپ ہو نہ زباں میری تری حمد و ثنا میں
بھولوں نہ تجھے میں مجھے رکھ یاد تو ہر دم　　جب تک کہ رہوں زندہ تری الفت کا بھروں دم

پھر یہی ہوا، تسلیم و رضا، محبت الٰہی، ذکر و عبادت تو ان کی خصوصیات و امتیاز میں داخل ہو گئی، دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اتنے ضعف و نقاہت کے باوجود کیسے معمولات پورے کرتی ہیں، اُسی طرح بیٹھ کر تفصیل سے ہر ایک پر دم کرتیں اور ہر ایک پر کئی کئی بار دم کرتیں، تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رہتی اور زبان مصروف ذکر رہتی، کوئی آکر اگر بیٹھ جاتا تو بہت خوش ہوتیں اس کا حال پوچھتیں، وہ دعا کی درخواست کرتا تو فوراً دعا کرنے لگتیں۔

آخر میں مناجاتوں کے سننے کا شوق بہت بڑھ گیا تھا، انھوں نے اپنی زندگی میں سیکڑوں مناجاتیں کہی تھیں، اور بعد میں یہ تک بھول گئی تھیں کہ ہم نے کب اور کون سی مناجات کہی تھی، جب ان کے سامنے ان کی بھولی ہوئی کوئی مناجات پڑھی جاتی تو بہت خوش ہوتیں۔

آخر میں معدہ نے جواب دے دیا تھا، جسم میں خون کی بے حد کمی تھی، کمزوری انتہا کو پہونچ چکی تھی بیماری کے ذرا سے جھٹکے سے وہ نڈھال ہو جاتیں، آخری دنوں میں

ایک بار معدہ خراب ہوا تو حالت غیر ہوگئی اور لوگ پریشان ہو گئے، مگر خدا کے فضل سے
اللہ کھول دی اور تھوڑی بہت ہشیاری آئی، اسی درمیان ماموں جی (مولانا سید ابو الحسن علی صاحب)
سفر بھوپال پیش آگیا، وہ تذبذب میں پڑ گئے کہ سفر کرنا چاہیے کہ نہ کرنا چاہیے، نانی صاحبہ
اس کی ایسی منزل میں پہونچ چکی تھیں کہ صبح و شام اس کا خطرہ رہنے لگا تھا کہ دیکھیں اب
کیا ہوتا ہے، اس لئے چند گھنٹوں کے لئے بھی ماموں جی کا غائب ہونا سب کو محسوس ہوتا
تھا، اسی تذبذب میں ماموں جی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر کے متعلق عرض کیا اور
کہا "بی بی" ہم اپنے کو بالکل آپ کے حوالے کرتے ہیں، اگر ذرا سا بھی خیال ہو تو ہم سفر نہ کریں
بھی دو روز باقی ہیں، جو حکم ہو گا وہ کیا جائے گا، اناں بی نے کہا علی میں تم کو دینی کام
سے بالکل نہیں روکتی تم جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہے۔

میری لڑکی امامہ سلمہا سے جو اکثر ان کی خدمت میں رہتی اور تیمارداری کا کام
انجام دیتی وہ بہت مانوس تھیں اپنے پاس بٹھا کر مناجاتیں سنا کرتی تھیں، چند مناجاتیں
جو انھوں نے خاص طور پر سنیں اور اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا ان کے چند شعر آپ بھی
سنئے ؎

یا الٰہی اب مجھے دیدار احمدؐ ہو نصیب	کر دعا مقبول میری نام ہے تیرا مجیب
خواب میں مجھکو نظر آئے تو میں اسدم کہوں	ہے یہی پیارا محمدؐ جو خدا کا ہے حبیبؐ

اور جب اس شعر کو سنا تو بے خود سی ہوگئیں اور مسکرا اٹھیں ؎

ہوں اسی دم یا الٰہی میں فدائے مصطفےٰ	روح میری جنت الفردوس کے پہونچے قریب

شور ہو عالم میں یہ سو کہ کیا جاگے نصیب　　آئیں حوریں میرے لینے کے لئے فردوس سے

اپنے صاحبزادے خال محترم مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی سے محبت کا جو تعلق تھا وہ کسی سے مخفی نہیں، ان کی سلامتی اور خدمت دین مقبولیت کی دعائیں ہمیشہ کیں اور کرتی رہیں ان کی مشہور نظم جو اپنے صاحبزادے کے لئے کہی تھی، ان کے سامنے پڑھی گئی، جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

رہے زندہ باقی جہاں میں علی　　رہے تیرے حفظ و اماں میں علی
ہو آباد کون و مکاں میں علی　　ہو سرسبز باغ جہاں میں علی
علی سے ہو روشن چراغ جہاں　　علی سے ہو سرسبز باغ جہاں

یہ ایک طویل نظم ہے جس میں ہر طرح کی دعا اور مناجات ہے، جب ان کی نواسی نے اس نظم کے یہ شعر پڑھے ؎

تو حافظ ہے اس کا تو ہی ہے قیب　　بلا کوئی آوے نہ اس کے قریب
دعا سن لے میری تو رب مجیب　　الٰہی علی کو تو کر خوش نصیب
علی سے بڑھے خاندان علی　　علی سے نمایاں ہو شان علی

تو خوشی و مسرت سے چہرہ کھل اٹھا اور بے ساختہ آمین آمین کے الفاظ دھرانے لگیں اسی نظم کا ایک شعر کتنے درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہ دل آزمائش کے قابل نہیں ہے
کہ بسمل تر اب وہ بسمل نہیں ہے

ں نظم کے بعد پڑھنے والی نے انھیں کی لکھی ہوئی دوسری مناجات پڑھی جس کی ابتدا

س طرح ہے ؎

نہوں کیوں کر تصدق اس خدا کے | میں ہوں قربان اس شانِ عطا کے
تسلّی دی مجھے اس نے اسی دم | گئی در پر میں جب اس کبریا کے
نہیں تھی میں کسی قابل جہاں میں | مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے
تمنائے دلی میری یہی ہے | اٹھا لے رنج سے غم سے بچا کے
خوشی میری رہے باقی جہاں میں | میں کر جاؤں سفر آرام پا کے

اس مناجات کو ختم کرکے اسی کے بعد والی مناجات پڑھی جس کے اشعار یہ ہیں ؎

تجھ سے گر میں کہوں نہ حالِ دل | کس طرح پھر قرار جاں ہووے
کیوں نہ تجھ سے کہوں میں رو رو کر | ضبط کیونکر یہ اب فغاں ہووے
دل میں طاقت ہے نہ ہمت ہے | حال دل کس طرح بیاں ہووے
جو ہے مغموم ایک مدت سے | پھر بھلا کیوں نہ نیم جاں ہووے
عفو کر اب مری خطاؤں کو | تو ہی اب مجھ پہ مہرباں ہووے
تیرے لطف و کرم کے صدقے میں | صدمہ و رنج بے نشاں ہووے
تیرے نزدیک کچھ نہیں مشکل | تو جو چاہے نہیں بھی ہاں ہووے
تو جو چاہے گا بس وہی ہوگا | اک طرف گرچہ سب جہاں ہووے
بس رضا پر ترے میں راضی ہوں | حکم تیرا جو کچھ عیاں ہووے

شکر اس کا کرے نہ کیوں بہتر
جو کہ ہر لحظہ مہرباں ہووے

اس مناجات کو جب ختم کیا گیا تو بڑی حیرت واستعجاب کے ساتھ کہا کہ ہم نے کیا ایسی مناجاتیں کہی ہیں؟ پھر اپنی صاحبزادی (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) سے بولیں۔

"عائشہ! ہم کو بہت اطمینان ہے کہ جو کچھ مانگنا تھا مانگ لیا"

جمعہ کو خال محترم (مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی) نے بھوپال کا براہ دہلی سفر کیا نانی صاحبہ ہمیشہ رات کے سفر سے گھبراتی تھیں، لکھنؤ سے دہلی کا سفر رات ہی کا ہوتا ہے دوسرے دن سنیچر کو مجھ سے کہنے لگیں:

"ہم کو علی کے سفر کی بڑی فکر ہے، دہلی رات کو گئے ہیں، نہ معلوم کیسی گذری ہوگی، اللہ تعالےٰ خیریت سے پہونچائے اور واپس لائے"

میں نے عرض کیا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سفر بہت آرام سے انشاء اللہ ہوا ہوگا، لیٹنے کی سیٹ مل گئی ہے۔۔۔۔۔ ایسا سفر ہوا ہوگا، جیسے یہاں اپنے پلنگ پر سو رہے ہوں، اس کو سن کر مسکرائیں اور کہا ماشاء اللہ۔

اسی رات کو یا اس سے قبل کسی رات کو خواب دیکھا اور صبح اپنی صاحبزادی سے کہا ہم نے یہ خواب دیکھا کہ "ہمارے جسم کے ایک ایک روئیں سے اللہ کی حمد نکل رہی ہے"

اتوار کی شب گذرنے پر جب میں صبح کی نماز کو جانے لگا اور نانی صاحبہ کے کمرے کے قریب سے گذرنے لگا تو میری خالہ (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) نے کہا محمد ثانی، والدہ صاحبہ

پڑیں، میں نے پوچھا کب؟ انھوں نے کہا ابھی تھوڑی دیر پہلے، میں نے کہا اس وقت
حال ہے؟ وہ بولیں اس وقت غالباً سو گئیں، نماز کے بعد آکر میں نے پھر پوچھا،
علوم ہوا کہ نماز پڑھ کر سو گئی ہیں۔

چند گھنٹوں کے بعد ان کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی، مونڈھے میں کافی ورم تھا
ں نے پوچھا، نانی صاحبہ کیا حال ہے کہنے لگیں سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے،
م کو ڈر ہے کہ ہڈی میں ضرب آگئی ہے، مختلف دوائیں دی گئیں، وقتی آرام ہوا،
لآخر مشورہ سے شام کو ڈاکٹر بلوایا گیا، اس نے دیکھ کر کہا ہڈی بے جگہ ہو گئی ہے،
ور ضعف کا یہ حال ہے کہ ٹھیک کرنا بہت مشکل ہے، دواؤں سے کام چلایا جائے،

تیسرے دن ان کو کرسی پر بٹھا کر دوسرے کمرے میں منتقل کیا گیا جس میں پہلے
ستقل قیام رہتا تھا اور زیادہ کشادہ اور روشن تھا، منتقل کرنے میں ان کو اتنا ضعف
ہو گیا کہ نبض کمزور ہو گئی، اسی وقت میں نے ماموں جی کو فوراً واپس آنے کا تار دیا، اور
تار کی خبر ان کو سنا دی، یہ سن کر وہ خوش ہو گئیں، جیسے قوت عود کر آئی ہو، اور بولیں،
ماشاء اللہ، دوسرے دن ماموں جی کا تار آگیا کہ میں پہونچ رہا ہوں، جب اس تار
کی ان کو خبر دی گئی تو اور زیادہ خوش ہوئیں اور کہنے لگیں "مزہ آگیا" بدھ کی صبح کو ماموں جی
پہونچ گئے، ماموں جی سے ملتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ قوت پوری طرح عود کر آئی، وہ اپنی
ساری تکلیفوں کو بھول گئیں، ہم سب نے ماں، بیٹے کی اس ملاقات کو ایسی نعمت
جانا جس کی بظاہر امید نہ تھی۔

جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات بڑی بے چینی میں گذاری اس کے باوجود نماز و
کا اہتمام اور تسبیح کا معمول برابر جاری رہا، کمزوری بڑھتی جا رہی تھی ہڈی کی تکلیف
بہت تھی، مگر کسی وقت بھی ایسا کلمہ نہیں کہا جس سے شکایت یا بے صبری کا ادنیٰ
شائبہ بھی پایا جاتا ہو اسی تکلیف میں جب کہ جوان سے جوان آدمی تک چیخ اٹھتا ہے
ایک ۹۳ سالہ ضعیف و ناتواں بی بی سراپا صبر و شکر بنی ہوئی تھیں سوائے ذکر کے
کوئی کلمہ زبان پر نہ آتا تھا، ہاں ایک بار بڑی تکلیف ہوئی تو بے چین ہو کر کہا،
"یا اللہ ہماری خطاؤں کو معاف فرما"

اسی آخری شب کو جبکہ بے چینی اور بے قراری بہت زیادہ بڑھ چکی تھی تو
ان کی ایک نواسی ریحانہ نے کہا، اگر آپ فرمائیں تو کوئی مناجات یا نعت سنائیں تو فوراً
بول اٹھیں، ضرور سناؤ، ریحانہ نے ان کی مناجاتوں میں سے یہ مناجات سنائی ؎

زباں میں یا الٰہی یہ اثر دے — کہ جو چاہوں میں تجھ سے تو وہ کر دے
رہے باقی کوئی حسرت نہ یارب — گل مقصود سے دامن کو بھر دے
تصدق میں حبیب مصطفیٰ کے — مری سب مشکلیں آسان کر دے
مسرت کی گھڑی دکھلا دے یارب — غم و رنج و الم سب دور کر دے
عطا پر عطا رحمت پہ رحمت — مرا گھر نعمت و دولت سے بھر دے
تو اپنی خاص رحمت سے الٰہی — خوشی شام و سحر آٹھوں پہر دے
ترا ملنا بہت آسان ہو جائے — اگر اپنا کرم اک آن کر دے

رہے زندہ مری اولاد یارب　　ترقی، رزق میں شام و سحر دے
اگر زندہ رہوں میں تو رہوں خوش　　اگر مر جاؤں تو جنت میں گھر دے

جہاں میں جب تلک زندہ ہے بہتر
سراپا خوبیوں سے اس کو بھر دے

اس مناجات کے بعد پڑھنے والی نے حسب ذیل دوسری مناجات شروع کی وہ ان کو سنتی جاتی تھیں اور زیر لب آمین کہتی جاتی تھیں، ان کو کیا معلوم تھا کہ دوسرے دن ہی ان کا رب "اگر مر جاؤں تو جنت میں گھر دے" کی دعا قبول فرمانے والا ہے۔

کون سی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا　　کون سا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا
کون سا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا　　کونسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں
آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں

یہ مناجات کافی طویل ہے، اس میں انبیاء کرام کا واسطہ اور وسیلہ، حضرت یوسفؑ کا چاہ میں جانا اور خدا کا فضل کرنا، حضرت ایوبؑ کی تکلیف اور اس سے نجات، حضرت یونسؑ کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور نکلنا، حضرت ابراہیمؑ پر آگ کا ٹھنڈا ہونا تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور خدا کے اسی مسلسل فضل و کرم کا واسطہ دیکر اپنی تکلیفوں سے نجات کی طلبگار ہوئی ہیں، اس نظم کا ایک شعر ہے ؎

اب تو خوش ہو جا الٰہی مصطفٰےؐ کے واسطے　　بابِ رحمت کھول دے خیر النساءؓ کے واسطے

خیر النساء ان کا اصلی نام تھا اور تخلص بہتر کرتی تھیں، یہ مناجات ریحانہ نے
چند ہی بند تک پڑھی تھی کہ کسی کام کو چلی گئیں تو انھوں نے تکمیل کرنے کا تقاضا کیا
اور امامہ نے یہ مناجات پوری کی، لیجیے آپ بھی چند شعر اور سن لیجیے۔

یاالٰہی اب جہاں میں مبتلائے غم نہ کر — دل مرا پرغم نہ کر اور چشم میری نم نہ کر
فکر غم سے ہوں میں لاغر پشت میری خم نہ کر — جو نگاہ رحم ہے مجھ پر تری وہ کم نہ کر

دے رہائی قید غم سے لے خدا اب تو مجھے
بس بڑی امید سے میں نے پکارا ہے تجھے

رات گذری، صبح کی نماز ادا کی طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا، چاشت کا
وقت آگیا، تو بغیر کچھ کہے تیمم کی مٹی تلاش کرنے لگیں، جو ان کے سرہانے رہتی تھی کسی نے
کہا ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا، مگر وہ کچھ نہیں بولیں اور اِدھر اُدھر ہاتھ بڑھاتی رہیں،
تو تیمم دیا گیا، پورے اہتمام سے تیمم کیا، اس وقت ہلکی سی غفلت طاری ہو چکی تھی،
مگر اس کے باوجود چاشت کی نماز دو رکعت ادا کی اور پھر غفلت زیادہ ہو گئی۔

نماز ظہر کا وقت آیا تو ماموں جی (مولانا علی میاں) نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ
بی بی کو نماز پڑھا دو، عرض کیا گیا نماز پڑھیے گا مگر وہ بالکل نہ بولیں تیمم ہاتھ کے پاس
لایا گیا تو خود تیمم کیا اور پوری طرح کیا اور خود سینے پہ ہاتھ رکھا، (جو دایاں تھا بایاں
ہاتھ تو ہڈی میں ضرب آنے کی وجہ سے بالکل حرکت نہیں کرتا تھا) اور پوری چار رکعت
نماز ادا کی، نہ معلوم نماز کے وقت اتنا ہوش کیسے آگیا انھوں نے برسوں پہلے اپنے

آخری وقت کے لئے یہ شعر کہا تھا ؎

اس گھڑی لب پر الٰہی مرے تو ہی تو ہو

بے خودی میں بھی رہے ہوش بس اتنا باقی

ہم لوگ سب نماز پڑھنے چلے گئے، ماموں جی نے مجھ سے کہا کہ اب قریب ہی رہنا ہم لوگ جلدی واپس آ گئے، غفلت طاری تھی لیکن عجیب بات تھی کہ دایاں ہاتھ برابر کسی چیز کو تلاش کر رہا تھا معلوم ہوا کہ تسبیح تلاش کر رہی ہیں، کیونکہ تسبیح ہر وقت ان کے ہاتھ میں رہا کرتی تھی، اور آخر میں تسبیح ہاتھ سے لے کر الگ رکھدی گئی تھی کہ ہاتھ چلانے سے تکلیف ہو گی اسی عادت کی بنا پر وہ ہاتھ بڑھاتی تھیں اور ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کو اس طرح مس کر رہی تھیں کہ دائرہ سا بن گیا تھا جیسا کہ تسبیح پکڑتے وقت دائرہ بن جاتا ہے۔

تین بجے کیفیت میں تبدیلی ہوئی اور سکوت ٹوٹا، اور زور زور سے سانس کے ذریعہ ذکر کرنے لگیں، اس ذکر کو سن کر سب لوگ جمع ہو گئے، اللہ اللہ کا ذکر اتنے زور اور صاف طریقے سے جاری ہوا کہ کمرہ کے باہر آواز جانے لگی، پونے تین گھنٹے لگاتار ذکر کرتی رہیں، ہم لوگوں نے کبھی ایسا پر سکینت منظر نہ دیکھا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی رحمت اتر رہی ہے، سبھوں کے دل ٹھہرے ہوئے تھے، یہ مبارک منظر دیکھ کر انھیں کی مناجاتوں کے چند شعر یاد آ گئے اور ان کی قبولیت بدرجہ اتم نگاہوں کے سامنے آ گئی ؎

رکھ مجھے اسلام اور ایمان پر ثابت قدم ساتھ آسانی کے نکلے یا الٰہی میرا دم
روح میری جس گھڑی ہونے لگے تن سے جدا ذکر ہو جاری زبان پر ہر گھڑی اور برملا
ہر گھڑی اور برملا کا لفظ کس طرح صادق آیا یہ ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی تھی اور ہر سننے والا کان سن رہا تھا۔

سفر کرنے لگوں جس دم عدم کا مرے آگے تری جنت کھڑی ہو
زباں پر ہو ترا بس ذکر جاری کسی کی فکر ہو اس دم نہ طاری
الٰہی دے زباں کو میری طاقت کروں میں دم بدم ذکر شہادت
خوشی سے لے کے میں ایمان جاؤں اور ترے احکام پر قربان جاؤں

اس طرح کے سیکڑوں اشعار ہیں جو ان کی مناجاتوں کی کتابوں میں ہیں، نمونتاً چند شعر تحریر کئے گئے، اسی طرح ان کی ایک قلمی کتاب میں ایک طویل دعا ہے جس میں دین و دنیا کی ہر نعمت مانگی ہے، اور آخر میں اپنے خاتمہ بالخیر کی تفصیلی دعا کی ہے اور رحمت الٰہی کی درخواست کی ہے۔

آخری لمحات میں چمچے کے ذریعہ منہ میں زمزم مسلسل ٹپکایا جاتا رہا اور وہ فوراً حلق میں اتر جاتا۔

ہم لوگ عصر کی نماز پڑھنے گئے، نماز پڑھتے ہی فوراً آ گئے، ذکر مسلسل جاری تھا، خاندان کے اور افراد جمع ہو گئے مجمع بڑھتا گیا اور مختلف لوگوں نے آہستہ آہستہ سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کی، تلقین کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ وہ خود ذکر کر رہی تھیں

میں نے تین بار سورۂ یٰسین پڑھی اسی طرح تین تین بار، چار چار بار مختلف حضرات نے سورۂ یٰسین پڑھی۔ محترمہ خالہ صاحبہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کہتی ہیں کہ سورۂ یٰسین کے بعد میں یہ دعا برابر پڑھتی رہی تھی۔

اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت وتب علینا قبل الموت وھوّن علینا سکرات الموت۔	اے اللہ موت بابرکت دے اور موت کے بعد برکت نازل کر اور موت سے پہلے توبہ نصیب کر اور موت کے سکرات کو ہم پر آسان کر۔

وہ کہتی ہیں کہ یہ دعا مجھ کو والدہ صاحبہ ہی نے ایک عزیز کے انتقال کے وقت پڑھنے کو بتلائی تھی۔

چھ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ذکر بند ہوگیا، اور فضا میں سکوت طاری ہوگیا، چند سکنڈ ہی گذرے تھے کہ معلوم ہوا کہ روح تن سے جدا ہوگئی، "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" عمر بھر عبادت الٰہی اور ذکر مولیٰ میں محنت و مشقت اٹھانے والی نیک خاتون اپنے محبوب مولا کے پاس پہونچ گئی اور عمر بھر کی بیقراری کو قرار آگیا۔ ع

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

عموماً کسی کے انتقال کے وقت حاضرین پر ایک گھبراہٹ سی رہتی ہے اور مرنے کے بعد قریبی تعلق رکھنے والوں پر وحشت اور غم واندوہ کا عالم طاری ہوجاتا ہے،

مگر یہاں اس کے بالکل برعکس تھا، سکینت وطمانیت کی فضا قائم تھی، اس طمانیت وسکینت کا اثر ہر ایک کے دل پر طاری تھا، اور اس مبارک موت پر ہر اک مطمئن تھا اور ایسی ہی موت کی تمنا دلوں میں جاگ اٹھی تھی، اور جانے والی اس نیک بی بی کے ایسے مبارک سفر آخرت اور ان کی خوش نصیبی وخوش بختی پر ہر ایک کو رشک سا آنے لگا اور ان کی دعا انہیں کے الفاظ میں پوری طرح قبول ہوئی۔

ہوں پوری آرزوئیں سب اٹھوں دنیا سے خوش ہو کر

ہو میری خوش نصیبی کا الٰہی تذکرہ گھر گھر

انتقال کے بعد ہی لکھنؤ، کانپور، فتحپور، دہلی، اطلاع کی گئی اور رات ہی رات سارے تعلق والے آگئے، رات ایسی پر سکینت گذری اور دلوں پر ایسی کیفیت طاری رہی جس کا الفاظ میں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

رات کو میری آنکھ کھلی کر ۲ بجے کے قریب ماموں جی (مولانا علی میاں) قریب ہی دوسرے کمرے میں اپنی والدہ ماجدہ کی مناجات بڑے درد و سوز کے ساتھ پڑھ رہے تھے، وہ شعر کیا تھے، مجھے اب یاد نہیں، لیکن ایسے عالم میں جبکہ رات کا سناٹا تھا ان کے سننے سے عجب کیف و سرور محسوس ہو رہا تھا، نماز فجر سے پہلے غسل دیا گیا، اس کا اہتمام کیا گیا کہ ساری عمر سنت کا خیال اور اہتمام رکھنے والی بی بی کا غسل بھی سنت کے مطابق ہو، نانی صاحبہ کی ایک صاحبزادی امۃ اللہ تسنیم بہشتی زیور لیکر کھڑی ہو گئیں اور دوسری بڑی صاحبزادی میری والدہ ماجدہ غسل دینے والیوں میں شریک ہو گئیں اور ایک ایک سنت کا لحاظ

رکھتے ہوئے غسل دیا گیا اور آٹھ بجے آخری زیارت کر کے جنازہ باہر لایا گیا، میدان میں ان کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور لوگوں نے کاندھا دینا شروع کر دیا، آخر آخر تک کثرت ہجوم کی وجہ سے کئی آدمیوں کو کاندھا دینے کی نوبت نہ آئی اور صرف پایا چھو کر رہ گئے، مسجد کے جنوب مشرق میں خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہؒ کا روضہ ہے جس میں ان کے اور ان کے خاندان کے مختلف خوش قسمت لوگوں کے چند مزارات ہیں، جن میں مرحومہ کے عظیم المرتبت شوہر مولانا سید عبدالحی صاحب کا مزار بھی ہے، انھیں کے پہلو میں مشرقی جانب ۸½ بجے صبح اس بزرگ ہستی کو جس کی بدولت پورے خاندان پر خیر و برکت کا نزول ہو رہا تھا اور مسلسل ذکر و عبادت سے گھر کا گھر رحمتِ الٰہی کا مرکز بنا تھا، سپرد خاک کیا گیا، آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے مٹی دینے میں پون گھنٹہ لگا، تقریباً ۹½ بجے ہم لوگ یہ دعا کرتے ہوئے روضہ سے باہر نکلے۔ ؏

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر — خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا — نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عادات و معمولات

امۃ اللہ تسنیم

عادات و معمولات

میں نے اپنے ہوش میں والدہ صاحبہ کے تین دور دیکھے ہیں۔
والد صاحب کی زندگی کا ایک دور، پھر ان کی وفات کے بعد، پھر عالم ضعیفی کا۔
والد صاحب کی زندگی میں والدہ صاحبہ نماز اور تلاوت کلام پاک کے بعد پورا وقت والد صاحب کی اطاعت اور خدمت میں گذارتی تھیں۔ ان کا کھانا، چائے ناشتہ، پان اور ضروریات کی کل چیزیں خود ہی اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھیں، پورا دن انھیں کاموں میں گذر جاتا تھا، حالانکہ پکانے والی موجود تھی لیکن والد صاحب کے کام اس پر نہیں چھوڑتی تھیں۔

صبح سویرے اٹھ کر سماوار میں چائے کا پانی رکھ کر آگ جلا دیتی تھیں، پھر نماز کے لئے کھڑی ہو جاتی تھیں، جب والد صاحب مسجد سے تشریف لے آتے تو چائے دم کر کے ناشتہ پیش کر دیتی تھیں ناشتہ اور چائے کی فراغت کے بعد دوپہر کے کھانے کی

تیاری میں مصروف ہو جاتی تھیں۔

جدت کا مادہ تھا، ایک کھانے پر کبھی اکتفا نہیں، ہر روز نئی چیز، ہر روز نئی ایجاد ذائقہ میں کھانے اور حلوہ جات کی جتنی ترکیبیں لکھی ہیں، سب بیسیوں مرتبہ کی پکائی اور بنائی ہوئی ہیں، والد صاحب بڑے مہمان نواز اور دعوت کرنے میں بھی بہت ممتاز تھے، ہر روز کسی نہ کسی کی دعوت ہوتی اور والدہ صاحبہ بڑے انہماک سے دعوت کا سامان کرتیں، اور کئی کئی قسم کے کھانے حلوہ وغیرہ تیار کرتیں۔

والد صاحب پان کے بھی بہت شوقین اور عادی تھے، دن میں کئی مرتبہ گلوری دان بھرا جاتا تھا، گلوریاں بنا کر گلوری دان میں گلوریوں کو ایسی خوبی سے بھرتی تھیں کہ پھول کا گلدستہ معلوم ہوتا تھا اسی طرح پھلوں کی پھانکوں کو پلیٹ میں اس طرح سجاتی تھیں کہ دیکھنے والا عش عش کر جائے اور بغیر تعریف کئے نہ رہے۔

خدمت گذاری اور اطاعت کا جو سلوک اول دن سے کیا اس کو والد صاحب کے آخر دم تک نباہا، ذرہ برابر فرق نہیں ہوا، ہم لوگوں کی تعلیم ہمارے چچا سید عزیز الرحمٰن صاحب کے سپرد کر دی تھی لیکن عشا بعد جب تمام کاموں سے فراغت ہو جاتی تھی تو ہم لوگوں کو بٹھا کر سکھاتی تھیں، قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور حدیث کی دعائیں یاد کراتی تھیں، وہ دعائیں اب تک ہم لوگوں کو یاد ہیں اور دعاؤں کی فضیلتیں بتاتی تھیں، اللہ رسول کے قصے ایسی خوبی سے بتاتی تھیں کہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے حالات اور بزرگوں کے واقعات بھی سناتی رہتی تھیں،

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی سچائی کا واقعہ پہلی مرتبہ انھیں کی زبانی سنا اور اسی طرح کے بیسیوں واقعات۔

قرآن شریف کی حافظ تھیں مجھ کو بھی حکم دیا کہ تم بھی حفظ کرلو چنانچہ میں نے چھ پارے یاد کرلئے پھر یہ کہہ کر چھڑا دیا کہ اب کوئی سامع نہیں ہے، تم سنبھال نہ سکوگی۔

رمضان شریف میں والد صاحب کی خدمت کے باوجود دن میں اپنے بھتیجے سید حبیب الرحمٰن صاحب سے دور کرتیں اور رات کو تراویح میں سناتی تھیں۔

والد صاحب کی وفات کے بعد ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہوگئیں گرمی میں ڈھائی بجے سے اور جاڑوں میں تین بجے سے اور رمضان شریف میں گرمی میں ایک بجے سے اور جاڑوں میں ڈیڑھ بجے سے تہجد کے لئے اٹھ بیٹھتیں تھیں، اور بڑی لمبی لمبی سورتیں پڑھتی تھیں مثلاً سورہ حدید، سورہ حشر، سورہ دخان، سورۂ یٰسین شریف، الم سجدہ، حٰم سجدہ، سورہ طور، سورہ نجم، سورہ واقعہ، سورہ رحمٰن، سورہ قٓ، سورہ ذاریات، تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے جانماز تر ہو جاتی تھی، اور کبھی اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی، بس اللہ رسول کی محبت دینی خوبیاں اور دینی خدمت کی توفیق۔

صبح چار بجے انگیٹھی جلا کر رکھدیتی تھیں، اور خود نماز میں مصروف ہو جاتی تھیں، دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کر دیتی تھیں، جو اٹھنے میں تساہلی کرتا تو بہت ناراض ہوتی تھیں اور جو نماز کے بعد سو جاتا تھا تو اس پر بھی

خفا ہوتی تھیں، کہتی تھیں، جو ہمارے گھر میں سوئے وہ نماز کو ضرور اٹھے ورنہ یہاں نہ سوئے
خود نماز پڑھ کر اسی جا، نماز پر اشراق تک بیٹھی رہتی تھیں، اور تہجد کے بعد صبح کی نماز تک
"لاالہ الااللہ" کی ضرب لگاتی تھیں، پھر صبح کی نماز کے بعد تسبیحات میں مشغول ہو جاتی تھیں
اشراق کی نماز پڑھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر کلام پاک کی تلاوت کرتیں اور کچھ گھر کے کام
انجام دیتیں، پھر چاشت کی نماز کے بعد مناجاتیں لکھنا شروع کر دیتیں، پھر ظہر کے کھانے کا
وقت آجاتا، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتیں، پھر اذان سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جاتیں، اور
جا نماز پر بیٹھ کر تسبیح میں مشغول ہو جاتی تھیں، جب ظہر کی اذان ہو جاتی تھی تو نماز پڑھ کر
سورۂ فتح اور سورہ تبا پڑھتی تھیں، پھر تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی تھیں، حتیٰ کہ عصر کا
وقت آجاتا تھا، عصر کی نماز پڑھ کر پھر کلام پاک کی سورتیں مغرب تک پڑھتی رہتی تھیں۔

ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار شروع ہو جاتا تھا۔

جب تک قوت وہمت رہی گھر کی دیکھ بھال بھی کرتی رہیں، مگر جب میرے چھوٹے
بھائی علی سلمہ کی شادی ہوئی تو پورا گھران کی اہلیہ[1] کے سپرد کر کے خود فارغ ہو گئیں،
رمضان شریف میں تراویح میں کلام پاک برابر سناتی رہیں، جب ضعیفی کا عالم ہوا تو بیٹھ کر
سنانے لگیں، جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی تو مجبوراً چھوڑنا پڑا، بصارت نے بھی
جواب دیدیا تھا، یہ بات بھی قابل تحسین ہے کہ آنکھوں کی بصارت عرصہ سے ختم ہو گئی
تھی لیکن ہم لوگوں کے سوا خاندان کے کسی فرد نے نہ جانا، اس حدیث قدسی کے مصداق

---

[1] لکھنؤ کے مکان کی ذمہ داری ڈاکٹر عبد العلی صاحب کی اہلیہ کے سپرد تھی اور رائے بریلی کے مکان جہاں خود بھی مقیم تھیں اپنی چھوٹی بہو کے سپرد کیا۔

بن گئیں، "جب میں اپنے بندے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں یعنی اس کی آنکھیں لے لیتا ہوں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے بدلے اس کو جنت دوں گا"۔ آنکھوں کی روشنی ختم ہونے کے بعد دن رات نماز، تسبیح اور تلاوت کلام پاک ہی کام رہ گیا اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نماز وقت سے بے وقت نہ ہو جائے، گھڑی سرہانے رکھی رہتی تھی، ہر آنے جانے والے سے پوچھتی رہتی تھیں، کیا بجا ہے؟ میں ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی، گھڑی بھر کو بھی کمرے سے نکل جاتی تھی تو پکارنے لگتیں، اکثر میں کہتی کہ میں پاس بیٹھی ہوں بتا دوں گی کہ وقت آگیا مگر اطمینان نہ ہوتا تھا ہر دس منٹ پر پوچھتی تھیں کہ کیا بجا ہے، اور مغرب کے وقت تو دروازہ پر ایک آدمی کو بٹھا دیتی تھیں کہ اذان سنکر فوراً بتاؤ، رات کو تاکیدی حکم تھا کہ گھڑی کو کوک دو، الارم لگا دو، پھر اطمینان نہ ہوتا تو پوچھتی تھیں کہ الارم لگا دیا، اگر اتفاق سے کبھی بھول ہو جاتی گھڑی نہ بجتی آنکھ نہ کھلتی تو بہت ناراض ہوتیں، اور سارے دن اس کا رنج رہتا، عشار کی نماز پڑھ کر سو جاتی تھیں، لیکن تھوڑی دیر میں آنکھ کھل جاتی تھی، اور گھبرا کر پوچھتی تھیں، ہم نے عشار کی نماز پڑھی ہے، جو ہم کہتے ہاں پڑھی ہے تو کہتیں خوب یاد ہے، تم نے دیکھا ہے، پھر خود کو بھی یاد پڑ جاتا، اور کہتیں کہ ہاں پڑھ لی ہے پھر سو جاتی تھیں۔

عرصہ سے ایک کام یہ اپنے ذمہ کر لیا تھا کہ ناشتہ کی فراغت کے بعد سورۂ فاتحہ الم مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورۂ یٰسین شریف، "لقد جاءکم" سے عظیم تک سورۂ کہف کی اول آخر کی دس دس آیتیں، اللہ تعالےٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ،

سورۂ الم نشرح، سورۂ اخلاص، سورہ فلق، سورۂ ناس، یکاد الذین سے مجنون تک، قل لن یصیبنا سے مومنون تک، وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء وھو الغفور الرحیم ○ رب اشرح لی صدری سے یفقھوا قولی تک، اللھم اجعل فی قلبی نورًا الی آخرہ اور حزب الاعظم کی چند مخصوص دعائیں اور درود شریف تنجینا پڑھ کر پانی پر دم کر دیتیں، اور وہ پانی گھر کے کل افراد کو پلاتی تھیں، پھر تو یہ ہوا کہ مریضوں کے لئے جانے لگا، دور دور سے لوگ آتے اور پانی لے جاتے، اللہ کے فضل سے لوگوں کو شفا ہونے لگی اور اب تو یہ ہو گیا تھا کہ خاندان کے سارے افراد اپنے اوپر دم کرانے لگے تھے، اور ہر ایک کو اتنی شفقت و محبت سے ہاتھ پھیر پھیر کر دم کرتی تھیں کہ مزا آجاتا تھا، آنے جانے والی عورتیں بھی اپنے اوپر دم کراتی تھیں۔

خوراک بالکل کم ہو گئی تھی، صبح کو ایک بسکٹ ایک پیالی چائے، دوپہر اور شام کو ایک پھلکے کا چھلکا اور دو لقمے چاول، پتہ نہیں کس طرح جی رہی تھیں۔

عرصہ سے دل بہت بے چین رہنے لگا تھا، اکثر کہتیں کہ اختلاج بہت ہے، اس کا یہ انتظام کیا کہ ان کی مناجاتیں سنائی جانے لگیں اس سے انھیں بہت سکون ملنے لگا چونکہ اپنی مناجاتیں بھول چکی تھیں اب جو سنیں تو انھیں مزا آ گیا، بہت خوشی ہوئی کہ یہ سب دعائیں کر چکے ہیں، بھلا ایسا مانگنے والا محروم ہو سکتا ہے اس خیال نے ان کو بہت تسکین بخشی روزانہ تین چار مناجاتیں سنائی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں پکانے والی نے بہت خدمت کی ان کو یہ نصیحت کی کہ دیکھو علیمہ سورۂ واقعہ روز پڑھنا کبھی تمہیں فاقہ نہ ہوگا اور اپنے سب بچوں پر نماز کی تاکید رکھو، ورنہ تم سے پوچھ ہوگی اور ہر فرض نماز کے بعد انیس انیس بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پڑھ کر دعا کیا کرو قبول ہوگی۔

دنیا سے بے رغبتی ہمیشہ سے تھی، لیکن اب تو نفرت ہوگئی تھی کہتی تھیں کہ ہم سے دنیا کی بات نہ کرو، فیشن سے قلبی عداوت تھی، ہم لوگوں سے کہتی تھیں کہ اگر تم نے فیشن کی کوئی بات اختیار کی تو تم سے نفرت ہو جائے گی۔
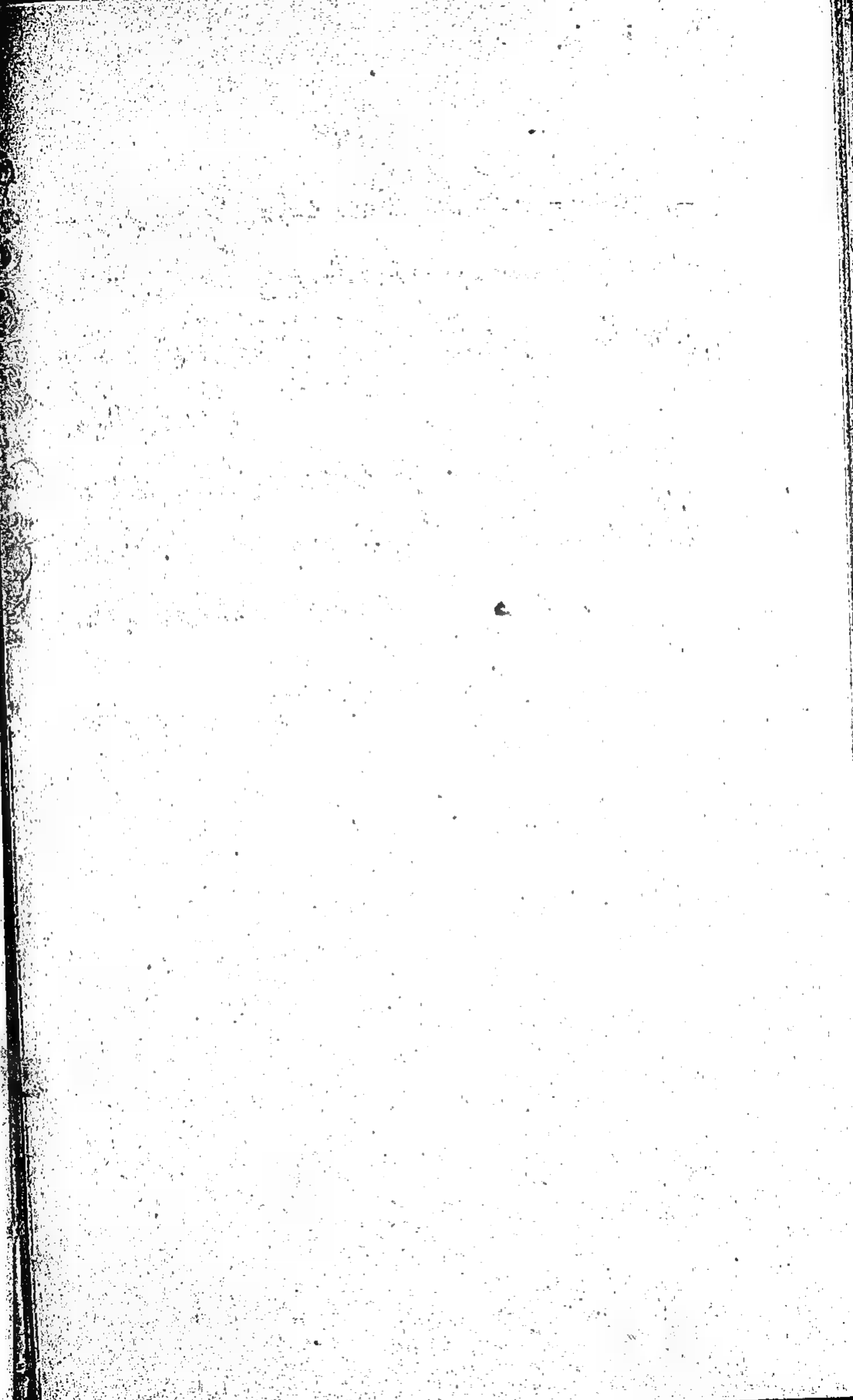
اماں بی

(دعا و مناجات اور اقوال کے آئینہ میں)

محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی
(فرزند ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم)

اماں بی

(دعا و مناجات اور اقوال کے آئینہ میں)

اماں بی[۱] ہمارے پورے خاندان کے لئے خیر و برکت، سکون و طمانیت اور نورانیت و للّٰہیت کا سرچشمہ تھیں اور ان کے جانے کے بعد خاندان کے ہر فرد نے صدق دل سے یہ محسوس کیا کہ ایک بہت بڑی نعمت اس کے ہاتھ سے چھن گئی ہے، راقم السطور کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی زندگی کے آخری ایام میں اس کو حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ایسے باخدا، پاکباز اور خوش نصیب بندوں اور بندیوں کی زندگی کا ہر لمحہ بیش قیمت اور ہر ساعت بابرکت ہے لیکن اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب وہ اپنے خدا کے حضور میں انعام لینے کے لئے جانے لگتے ہیں، اس وقت ان کی شان ہی اور ہوتی ہے، رحمتِ خداوندی کا بکثرت نزول ہوتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ رحمتِ الٰہی جوش مارتی ہے، اماں بی کی زندگی کی وہ آخری ساعتیں بھی کچھ اسی قسم کی تھیں، اس وقت کی برکت اور نورانیت اور سکینت و طمانیت ہم جیسے کثیف دلوں کو بھی محسوس ہوتی تھی۔

---

[۱] مرحوم کے پوتے اور نواسے، اور پوتیاں اور نواسیاں ان کو اماں بی کے نام سے یاد کرتی تھیں۔

راقم سطور کے جد امجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ "ان کے انتقال کے وقت کیف و سرور اور سکینت کی ایک چادر پورے ماحول پر محیط معلوم ہوتی تھی، جس رات کو انتقال ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات شب قدر ہے ہم لوگوں پر حزن و ملال کا مطلق اثر نہ تھا، ذکر الٰہی بلند اور صاف آواز سے جاری تھا، جس کو سب سن رہے تھے۔"

اماں بی کا حال اس سے ملتا جلتا تھا، ان کے انتقال کے وقت وہ وحشت و گھبراہٹ اور حزن و ملال نہ تھا، جو عام طور پر ایسے موقعوں پر ہوتا ہے، ذکر سانس کے ساتھ مسلسل اور صاف آواز سے جاری تھا، اور اسی حالت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور راحت ابدی حاصل کی "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي"۔

اماں بی کی زندگی میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں، اور ان کا ہر پہلو قابل توجہ ہے لیکن اس کے تین عنوانات بہت جلی ہیں، ایک دعا و مناجات کی وہ عجیب کیفیت جس میں وہ بہت ممتاز، فائق بلکہ منفرد نظر آتی ہیں، اور دوسرے دین کی قوت و ترقی اسلام کے غلبہ کی سچی تڑپ اور حرارت و سوزش، تیسرے تربیت اور حسن معاشرت ہم ذیل میں ان کے اشعار و مناجات کے چند نمونے پیش کرتے ہیں، جو ان کی دلی کیفیات اور مختلف پہلوؤں کے ترجمان ہیں، اس کے بعد ان کے حسن تربیت اور حسن نظر کے

چند نمونے خود ان کے کلام کی وساطت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے،

"وما توفیقی الا باللہ"

دنیا کی بے ثباتی، دنیا کی حقارت، دنیا سے بے تعلقی اور اس کو کمتر، حقیر اور ذلیل سمجھنا ان کا ایسا حال تھا جس میں تصنع کو مطلق دخل نہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ دنیا میں رہنے اور سلیقے کے ساتھ زندگی گذارنے کی انھوں نے جو وضع اور نظیر قائم کی وہ اپنی جگہ خود نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، ایک طرف عالم قدس سے وہ تعلق دعا و مناجات سے ایسی والہانہ وابستگی اور دنیا کی وہ حقارت کہ اگر آدمی ان کے صرف ایک پہلو کو دیکھے تو کہے کہ ایسا آدمی دنیا سے بالکل کنارہ کش اور دنیا سے ناواقف ہوگا اور اس کو حقوق العباد ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہوگا، اور دوسری طرف دنیا برتنے کا وہ سلیقہ اور دنیاوی معاملات میں ایسی دقیقہ رسی، تربیت و معاشرت کے شعبہ میں ایسی باریک بینی اور ذہانت اور امور خانہ داری میں ایسی مہارت[1] اگر کوئی صرف اس پہلو کو دیکھے تو یہ کہے کہ ایسا آدمی دعا و مناجات اور عبادت و تلاوت کے لئے وقت دماغ اور دل کہاں سے لاتا ہوگا۔

اماں بی میں یہ دونوں باتیں اس حسن و خوبصورتی کے ساتھ جمع تھیں کہ اس کو قرآن مجید کی اس آیت :- مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ

---

[1] اس کی شہادت کے لئے ان کی دو کتابیں "حسن معاشرت" اور "ذائقہ" بالکل کافی ہیں۔ "ذائقہ" انھوں نے کھانے کے انواع و اقسام پر لکھی ہے۔

لَّا یَبْغِیٰنِ[1] " کے سوا اور کسی چیز سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا سے خطاب کرتے ہوئے کس سادگی اور سچائی کے ساتھ کہتی ہیں ؎

گھبرا نہ ہم سے دنیا تجھ میں نہ ہم رہیں گے — اپنا وطن عدم ہے جا کر وہیں بسیں گے
شیوہ تیرا دغا ہے شیوہ تیرا جفا ہے — تو سخت بے وفا ہے ہم صاف ہی کہیں گے
ہاں تو ستا لے ہم کو جتنا ستانا چاہے — کیا ہوگا جب خدا سے فریاد ہم کریں گے
تیری یہ بے وفائی تیری یہ کج ادائی — تیری ستم ظریفی کب تک یہ ہم سہیں گے
آتا ہے جو یہاں وہ رہتا ہے تجھ سے نالاں — ایک روز ہم بھی تجھ سے منہ پھیر کر چلیں گے
کر کچھ تو اب بھلائی مہمان ہم ہیں تیرے — جب ہوں گے تجھ سے رخصت پھر ہم نہیں ملیں گے
تو ہم سے گر خفا ہو پروا نہیں ہے ہم کو — مالک ہو ہم سے راضی جس کے یہاں رہیں گے
بھیجا تھا اس نے ہم کو تیرے یہاں یہ کہہ کر — جب ظلم ہو گا تجھ پر انصاف ہم کریں گے

انصاف کیا ہو بہتر یہ ظلم کی ہے بانی
جو کچھ ستم کرے گی سب کچھ وہ ہم سہیں گے

دنیا کی بے ثباتی پر ان کی ایک اور طویل نظم ہے جس کا ردیف و قافیہ ہے،

"جو آج ہے وہ کل نہیں" اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

---

[1] دونوں سمندر ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک ایسا برزخ ہے جو ایک کو دوسرے میں داخل ہونے سے باز رکھتا ہے یہ آیت اس کھاری اور شیریں پانی کے متعلق ہے، جو ایک ہی چشمہ کے اندر نظر آتا ہے ایک طرف شیریں پانی ہوتا ہے ایک طرف نمکین حالانکہ بیچ میں کوئی روک نہیں ہوتی۔

اے مومنو! ہوشیار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
سوتے ہو کیوں بیدار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

کرنا ہے جو کرلو ابھی کیا زندگی کا آسرا
کیوں رکھتے سر پر بار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

دنیا پہ تم نازاں نہ ہو ہیں چار دن کے یہ مزے
تم اس سے بس بیزار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

ہو عیش یا آرام ہو جو کچھ بھی ہو سب ہے فنا
مفلس ہو یا زردار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

جو کچھ کہ دیکھا ہم نے یاں خواب تھا بھولا ہوا
کیوں دل نہ اس سے زار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

ان کو اپنے خدا پر ناز و اعتماد اس درجہ تھا کہ اس کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آجاتی ہے جس میں کہا گیا ہے:

رب اشعث أغبر لو أقسم على الله لأبرّه۔
بعض ایسے پریشان حال اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھ لے گا۔

دیکھئے کس درد اور تڑپ، کس بھروسہ اور اعتماد اور کس یقین اور محبت کے ساتھ اپنے مالک سے گویا ہوتی ہیں ؎

جو مانگا ہے، جو مانگیں گے، خدا سے ہم وہی لیں گے
مچل جائیں گے، روئیں گے، کہیں گے ہم یہی لیں گے

نہیں گو ہم کسی قابل، مگر تیری عنایت ہے
جو تیری شان کے لائق ہے ہم تجھ سے وہی لیں گے

کیا تو نے طلب ہم کو اٹھیں گے ہم نہ اس در سے
نہ جائیں گے نہ جائیں گے ابھی لیں گے وہی لیں گے

اے بہتر نہ تو گھبرا جو مانگے گی وہ پائے گی
کہے گی جب تو یہ رو کر کہ ہم اس دم یہی لیں گے

ان کا کہنا یہ تھا کہ دعا کی توفیق ملنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے خوب جی بھر کے اور دل کھول کر مانگے، اس لئے ایسے موقعہ پر کسی کوتاہی' بے نیازی استغنار اور مایوسی یا بے دلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیئے، دعا کی توفیق تو در پردہ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم دینا تو چاہتے ہی ہیں، تم مانگنا تو سیکھو۔

ایک مناجات اس طرح شروع کرتی ہیں ؎

ہوئی جو در تک ترے رسائی، تو تجھ سے میرا سوال بھی ہے

تو دینے والا کریم بھی ہے، تو قادر ذوالجلال بھی ہے

یہ شان دیکھی تری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی

بلا کے دینا کرم ہے تیرا، یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے

آخر میں کہتی ہیں ؎

نہیں ہے بہتر کو اب گوارہ کہ دل ہو یاں رہ کے پارہ پارہ

ملے وہ گھر جس میں لطف بھی ہے کرم بھی ہے اور وصال بھی ہے

لیکن ان کی یہ مناجاتیں صرف ان کے اپنے حال دل تک محدود نہ تھیں، سوزش اعداء غربت، الام امراض اور وبائیں، خشک سالی اور قحط، طغیانی اور سیلاب، مالی پریشانیاں اور فکریں رمضان المبارک کا استقبال، بیت اللہ کی زیارت اور مدینہ طیبہ کی حاضری سب ان کے موضوعات میں شامل ہیں۔

مسلمانوں پر غیر مسلموں کے مظالم اور اسلام کے خلاف ان کی نئی نئی تحریکوں اور انگریزوں

کی سازشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں ؎

لگائی ہے جو آگ اس دم انھوں نے	اسی نار میں ناریوں کو جلا دے
ہم اسلام والے ہیں ایمان والے	نہ ان کے ہاتھوں سے ہم کو سزا دے
برے یا بھلے ہیں مگر ہم ہیں تیرے	جو بھی کام بگڑے ہمارے بنا دے
ہوا دنی مسلمان میں بھی یہ قوت	پکڑ کر سر ان کا زمیں پر گرا دے
چلے کوئی جادو اب ان کا نہ ہم پر	جو سوتے بھی ہوں ہم تو ہم کو جگا دے

خشک سالی سے متاثر ہو کر ایک مناجات میں کہتی ہیں ؎

یا الٰہ العالمیں ہے تو ہی خیر الرازقیں!	تو ہی خیر الرازقیں ہے تو خیر الراحمیں
جھوم کر اٹھے گھٹا یا رحمۃ للعالمیں	نام کو سبزہ نہیں سوکھی پڑی ہے سب زمیں

برسا دے یارب اس قدر سرسبز ہو ساری زمیں
مٹ جائیں سارے رنج و غم آباد ہوں اہل زمیں

بارش کی کثرت اور دریا کی طغیانی سے نجات کے لئے کس سادگی اور روانی کے ساتھ محو دعا ہیں۔

مینھ برستا ہوا تو لے اب تھام	اس میں ہوتا نہیں ہے ہم سے کام
بہہ رہا چار سو جو دریا ہے	ہیں پریشاں اس سے خاص و عام
آسماں پر گھٹا وہ چھائی ہے	صبح بھی ہو گئی ہے مثل شام
خوف طغیانی سے ہیں سب سہمے	کہتے ہیں دیکھئے ہو کیا انجام

ہو نگر تیرے رحم کی مولیٰ　　خوف جاتا رہے ہو بس آرام

تو ہی حافظ ہے تو ہی ناصر ہے　　تجھ سے کہتی ہوں تیرا لے کر نام

تجھ سے بہتر کی بس یہی ہے دعا

اپنے بندوں کو کر نہ تو ناکام

راقم سطور کی ولادت کے موقع پر بھی انھوں نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ہے :-

"کام ہو میرا ترے فضل و کرم کا نام ہو"

یہ نظم بڑی مختصر اور پر اثر ہے، اور میں اس کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں ؎

فضل سے تیرے ہوئی آسان مشکل اڑی　　اور خوشی کی بے تعب تجھ نے دکھائی یہ گھڑی

تو ہی کر آسان یارب ہیں یہ جتنی مشکلیں　　دور ہو جائیں یہ ساری زحمتیں اور کلفتیں

صدقۂ احمدؐ کا محمد ہو مرے گھر کا چراغ　　دیکھ کر اس کو الٰہی دل ہوں سب کے باغ باغ

اور پیدا کر محمد میں الٰہی وہ کمال　　اور محمد ہو الٰہی جد امجد کی مثال

خوش ہوں اس کو دیکھ کر سب اور اسکے والدین　　بس وہ ہو آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہو ہے دل کا چین

نظم ہو مقبول میری اور خوش انجام ہو

کام ہو میرا ترے فضل و کرم کا نام ہو

بیت اللہ شریف کی حاضری کس طرح مزہ لے کر بیان کرتی ہیں، اور اس کو اپنی اسی دعا و مناجات کا ثمرہ سمجھتی ہیں، جو ان کی روح اور دل کی غذا اور ورد و وظیفہ تھی۔

کہاں ملتی ہے یہ دولت و عزت ۔ ہوئی دربار میں کس کی رسائی
رہی دربار میں حاضر جو ہر دم ۔ یہ نعمت اور دولت ہاتھ آئی
کیا جو زندگی کو تلخ تو نے ۔ ضعیفی میں یہ راحت تو نے پائی
نتیجہ ہے فقط تیری دعا کا ۔ بڑھاپے میں تجھے پہونچی بھلائی
لگائی تھی جو تو نے آس بہتر
جو کی امید تو نے وہ بر آئی

مدینہ طیبہ کی بہاروں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جدائی اور رخصتی کی تصویر اس طرح کھینچتی ہیں، ایک طویل نظم کے چند اشعار ؎

یہ سماں، یہ لطف، یہ دولت کہاں ہوگی نصیب ۔ اور زیارت گنبد خضرا کہاں ہوگی نصیب
دل کو راحت آنکھ کو ٹھنڈک کہاں ہوگی نصیب ۔ یہ مبارک محفلیں ہم کو کہاں ہوں گی نصیب
جائیں ہم کیونکر مدینہ کی فضائیں چھوڑ کر ۔ یہ بہاریں اور یہ دلکش ادائیں چھوڑ کر

دیار مقدس سے رخصتی کے وقت یوں گویا ہوتی ہیں ؎

اے خدا پھر اسی دربار میں لانا مجھ کو ۔ اپنے دربار کا سائل ہی بنانا مجھ کو
پھر ترے خانۂ کعبہ کا کروں آکے طواف ۔ پھر مزے لطف و محبت کے چکھانا مجھ کو
روضۂ پاک پہ ہر دم میں کروں جاکے سلام ۔ اور ملے ارض مقدس میں ٹھکانا مجھ کو
زندگی میری خدایا ترے در پر گذرے ۔ ساتھ ایمان کے دنیا سے اٹھانا مجھ کو
ہند میں رہ کے خدایا نہیں راحت مجھ کو ۔ اب تو طیبہ ہی میں ملجائے ٹھکانا مجھ کو

قلب ہے میرا ضعیف اور سفر ہے مشکل
تو اگر چاہے تو مشکل نہیں آنا مجھ کو

عم مخدوم و معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے لئے ان کی دعا کا کیا حال تھا اس کے لئے صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ان کی ساری زندگی دعا تھی، اور ان کی ساری دعا چچا میاں کے لئے تھی، وہ جس وقت بھی دعا کرتیں اور جس کے لئے بھی دعا کرتیں وہ دراصل ان ہی کے لئے ہوتی اور ان کی کتابوں "باب رحمت" اور "کلید باب رحمت" کا ہر صفحہ اس کا گواہ ہے۔

اماں بی کو اللہ تعالےٰ نے ایمان ویقین ذوق وشوق اور تعلق مع اللہ کی اس دولت کے ساتھ جو خاصان خدا اور مقبولان بارگاہ کا حصہ ہے، تربیت کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا اس کی تفصیل گذشتہ مضامین میں گذر چکی ہے یہاں صرف ان کی مقبول کتاب "حسن معاشرت"[1] کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر اجتماعی زندگی کے کیسے کیسے گوشوں تک پہونچتی تھی، اور معاشرت کے وہ لطیف نازک پہلو بھی جن کی طرف اکثر لوگوں کو توجہ بھی نہیں ہوتی، ان کی دقیقہ رس نظر سے فراموش نہ ہوتے تھے۔

یہ کتاب نہ صرف اپنے مضامین بلکہ اپنی زبان وبیان میں بھی سادگی و پرکاری کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور حیرت ہوتی ہے کہ ایک گوشہ نشین اور یاد الٰہی میں عمر گزارد ینے والی

---

[1] اس کتاب کے گیارہ ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں۔

خاتون جب قلم اٹھاتی ہے تو اس طرح نقش قائم کرتی ہے اور اجتماع و علم النفس کی حقیقتوں
اور معاشرے کی تصویروں کو سادہ اور رواں جملوں میں اس طرح پیش کر دیتی ہے کہ وہ
زندہ اور متحرک معلوم ہونے لگتی ہیں۔

یہ کتاب انھوں نے خاص طور پر مسلمان بچیوں کے لئے لکھی ہے لیکن اس کا مطالعہ
ہر تعلیم یافتہ مرد کے لئے بھی مفید ہے، کتاب کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھتی ہیں:۔

"تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ ہمیں سب کچھ آتا ہے، اور موقعہ پر سب کچھ کر سکتی
ہیں تو یہ غلط ہے اگرچہ تم نے کبھی کبھار اپنے کپڑے سی ڈالے یا کسی کپڑے کی کتر بیونت
کر لی یا کبھی ایک ہانڈی سی تیار کر لی، یا کسی کرتا ٹوپی میں ایک بوٹا بنا دیا، کلام مجید
پڑھ کر صرف دو چار کتابیں دے بھاگیں کہ اس کے مسئلہ مسائل اور ان کتابوں کے
سبب تالیف سے بھی واقف نہ ہوئیں یہ قابلیت بھی کوئی قابلیت ہے اگر
کوئی کچھ پوچھ بیٹھے تو دیکھتی رہ جاؤ، تمہیں لازم ہے کہ جس کام کی طرف جھکو
چاہے وہ کتنا ہی دشوار ہو بہ آسانی کر کے رکھ دو۔"

موجودہ زمانہ میں لڑکیوں کا جو حال ہے، وہ ان کے نزدیک والدین کے بدلے
ہوئے رویہ کا نتیجہ ہے، لکھتی ہیں:۔

"اب خود والدین اپنی اولاد کے تابعدار و ناز بردار ہیں، ان کی ہر خواہش
پوری کریں گے، انھیں ہر طرح کا اختیار دیں گے، ان کی خوشی کو اپنی خواہش
پر مقدم رکھیں گے، ان کی دل شکنی منظور نہ کریں گے بری بھلی باتیں نہ سمجھائیں،

ان کے عیب و ہنر پر نظر نہ کریں گے، انھیں آزاد رکھیں گے پھر وہ کیونکر ان کے قبضہ میں آسکتی ہیں، لامحالہ ان کی یہی حالت ہوگی، جو اس وقت دیکھنے میں آرہی ہے، عام طور سے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب لڑکیاں نہایت آزاد اور بے خوف ہو رہی ہیں، جو چاہتی ہیں کر گزرتی ہیں، نہ والدین کا ڈر نہ خدا کا خوف، نہ دنیا کی شرم نہ عزت کا پاس نہ غیرت کا لحاظ، نیک صحبتوں سے واقفیت نہیں، تفریح کی شائق، سیر و سیاحت پر قربان، ناولوں پر صدقہ، قصہ کہانی پر نثار، قرآن و حدیث سے بیزار، اوامر سے غافل، نواہی پر مائل، دروغ گو، عیب جو، دوستوں کی دشمن، دشمنوں کی دوست، تیز مزاج، متلون، جس کی جو وضع دیکھی پسند کرلی، جو راہ چاہی اختیار کرلی۔"

سسرال میں ضرورت سے زائد شرم کرنے پر لکھتی ہیں:۔

"محض دولہن نہ بنی رہو، محل شرم و حیا دیکھ کر شرم کرو، زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی، بڑوں کے سامنے ادب سے سلام کرکے بیٹھ جانا اور پردہ والوں سے پردہ کرنا کافی ہے، زیادتی شرم سے کام خراب ہو جاتا ہے۔"

شوہر کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں ایک جگہ بڑی حکمت کی بات لکھتی ہیں:۔

"جب مرد گھر میں آئیں، آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ ہو، معلوم نہیں کس خیال میں آئے ہوں اور کیا خیال پیدا ہو جائے، کھانے کے وقت

تا ایسی دل چسپی کی باتیں کرو، کہ وہ خوش ہو کر کھائیں، بے فکری میں دال شل قورمہ کے معلوم ہوتی ہے، فکر و تردد میں ہزار نعمت زقوم ہو جاتی ہے، اس کا تجربہ ہو چکا ہے، بعض بیبیاں آتے ہی تمام قصے کہہ سناتی ہیں، اٹھنا، بیٹھنا کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے، آخر وہ بھوکے اٹھ جاتے ہیں، خدا بھی ناخوش ہوتا ہے، اور وہ بھی، ایسی عقل سے خدا بچائے۔"

تربیت اولاد کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ لکھتی ہیں:۔

"یہ کوئی دشوار بات نہیں، اولاد کی محبت سب کچھ سکھا دیتی ہے مگر عقل و سلیقہ شرط ہے، جو بد سلیقہ ہیں، ان کو اور ان کی اولاد کو زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، پرورش پانے کو تو بچے پرورش پا جاتے ہیں، مگر حیوان ہی رہتے ہیں، نہ خاموشی کا سلیقہ نہ بات کرنے کا طریقہ، بات کے وقت خاموش رہے، خاموشی کے وقت جو چاہا کہہ دیا، کھانے کا سلیقہ نہ پینے کی تمیز، نہ پہننے اوڑھنے کا انداز۔"

بچوں کی تربیت کس طرح ہو اس کے چند قیمتی اصول لکھتی ہیں:۔

"بری صحبتوں سے دور رکھو، ہر وقت خیال رکھو کہ ان کی طبیعت کسی اور طرف مائل نہ ہو، ان کی ضد پوری نہ کرو، مانگنے سے پہلے ان کی خواہش پوری کر دو تاکہ ضد پیدا نہ ہو، ان کے ساتھ ایسا انداز رکھو کہ وہ تم سے بے خوف نہ ہوں، تمہارا اشارہ ان کو کافی ہو، بہت مارنے اور بار بار کہنے سے بچے بے حیا ہو جاتے ہیں، بس اشارے سے کام لو، ہر وقت ٹیڑھی باتیں نہ کرو،

تھوڑی خطا پر سمجھا دو غصہ میں کوئی لفظ بے جا نہ نکالو کہ پچھتانا پڑے، ان کی طرف سے کسی کو برا نہ کہو بلکہ انھیں کا قصور سمجھو ان کا کہنا نہ مانو، مار کر ہنسو نہیں، ان سے بے تکلف ہو کے باتیں نہ کرو کہ وہ بے حجاب ہو جائیں، ان پر اپنی محبت کا اظہار نہ کرو، کسی بات میں ان کی بے جا طرفداری نہ ہو، سب بچوں کو ایک نظر سے دیکھو، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو، کہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھیں، بچوں کی ہر خواہش پوری کرنا بڑی غلطی ہے، یہ محبت نہیں بلکہ عداوت ہے۔"

ماماؤں کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں لکھتی ہیں:۔

"ہر قصور پر لعنت ملامت نہ کرو، کچھ کچھ تم بھی مدد دیتی رہو، ضرورت کے وقت بے کار کام نہ لو، جب وقت پر کام نہ ہو گا تو برا کہو گی تو الٹے تمہیں کو وہ تھپڑ لگائیں گی، پھر تمہاری کیا رہ جائے گی، اگر تمہیں منظور ہے کہ کام بھی ٹھیک وقت پر ہوتا ہے اور کوئی چیز ضائع نہ ہو تو نگرانی کے لئے موقعہ پر بیٹھ جاؤ، مگر یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس غرض سے بیٹھی ہو، یہ کھا نہ لیں۔"

کام کی عادت کے سلسلے میں لکھتی ہیں:۔

"ہر کام کی عادت ڈالنا چاہیئے کسی وقت بے کار نہ رہو، اکثر بے کار رہنے والوں کو دیکھا ہے، سات آٹھ بجے تک سوتے رہتے ہیں، اگر کوئی کرنے والا ہوا تو خیر ورنہ اکثر مرد خود کر لیتے ہیں، کس قدر شرم کی بات ہے کہ بی بی صاحبہ

لیٹی یا بیٹھی ہیں، اور مرد پریشان پھر رہے ہیں!"

"چند پند" کے عنوان سے بڑی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں، چند جواہر پارے پیش کئے جاتے ہیں، جو محض لڑکیوں کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مرد و عورت اس سے برابر کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں:-

"دو شخص جب برابر ہوں اور تم کچھ دینا چاہو تو برابر دو، زیادہ کم دینے میں تم بے وقوف کہلاؤگی اور کم حصہ والی کی سبکی ہوگی، دو شخصوں کے سامنے ان میں ایک کی تعریف نہ کرو، خاطر مدارات برابر کرو، کسی کی دل شکنی نہ کرو، غیروں سے بہت نہ ملو، نہ ان سے کچھ امید رکھو، اگر تمہارے خیال کے مطابق نہ ہوا تو ملال ہوگا ؎

"کہاں رہتی ہے وہ قیمت ہماں چینی میں بال آیا"

جس سے محبت کرو خدا کی خوشی کے لئے، جو بات کہو موقعہ پاکر کہو، اگر کھانے کا ذکر ہو تو تم کپڑوں کا تذکرہ نہ کرو، کہ مثل صادق آئے "مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ" ایک کی بات ختم ہو جائے، تو تم کہو۔

کوئی شخص اگر تمہاری مروّت و محبت یا کسی اور خیال سے تمہارا کچھ کام کر دے تو اس کام میں برائی نہ نکالو، ہر شخص کا احسان مانو۔

جس سے پردہ کرو اچھی طرح سے کرو، صورت تو چھپاؤ اور آواز سناؤ یہ طریقہ خوب نہیں، صورت کا آواز سے اندازہ ہو جاتا ہے، بری خصلتوں اور بری اداؤں

سے بچو، دانتوں سے ناخن کاٹنا، انگلیاں توڑنا، مجلس میں انگلیاں الجھانا،
سر پٹینا، سر ٹھوکنا، سب کے سامنے جوئیں نکالنا، بات کرتے وقت ہاتھ ملنا،
سر پھیرنا، گردن موڑنا وغیرہ یہ سب بیہودہ عادتوں میں شمار ہیں۔

سب کے ساتھ نیکی ٹھیک نہیں، کہ تم بے وقوف سمجھ کر لوٹ لی جاؤ، پھر منہ دیکھتی
رہ جاؤ، بے جا نیک مزاجی، بے محل سخاوت مندی بے وقوفی میں شامل ہے۔"

آخر میں دعا اور معمولات کا بیان کرتے ہوئے آخری مشورہ دیتی ہیں:-

"تم دنیا کے سارے کام کرتی ہو اور دن بھر دنیا کے دھندے میں
لگی رہتی ہو، محنت کرتی ہو، تھکتی ہو، اگر تھوڑا وقت اس کے لئے (دعا کے لئے)
نکال لو تو تمہیں دنیا و آخرت کا فائدہ حاصل ہو جائے گا، اور تم اللہ کے ذمے
ہو جاؤ گی، انھیں دعاؤں کی برکت سے مجھے وہ وہ حاصل ہوا کہ میرا دل
جانتا ہے، میں اس منعم حقیقی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں ؎

میں کس قابل تھی اے لوگو! جہاں میں
مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے۔"

سراپا شفقت

مولانا سید ابو بکر حسنی
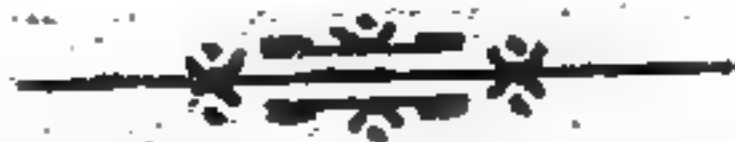
(ایم، اے، استاذ نہرو یونیورسٹی۔ دہلی)
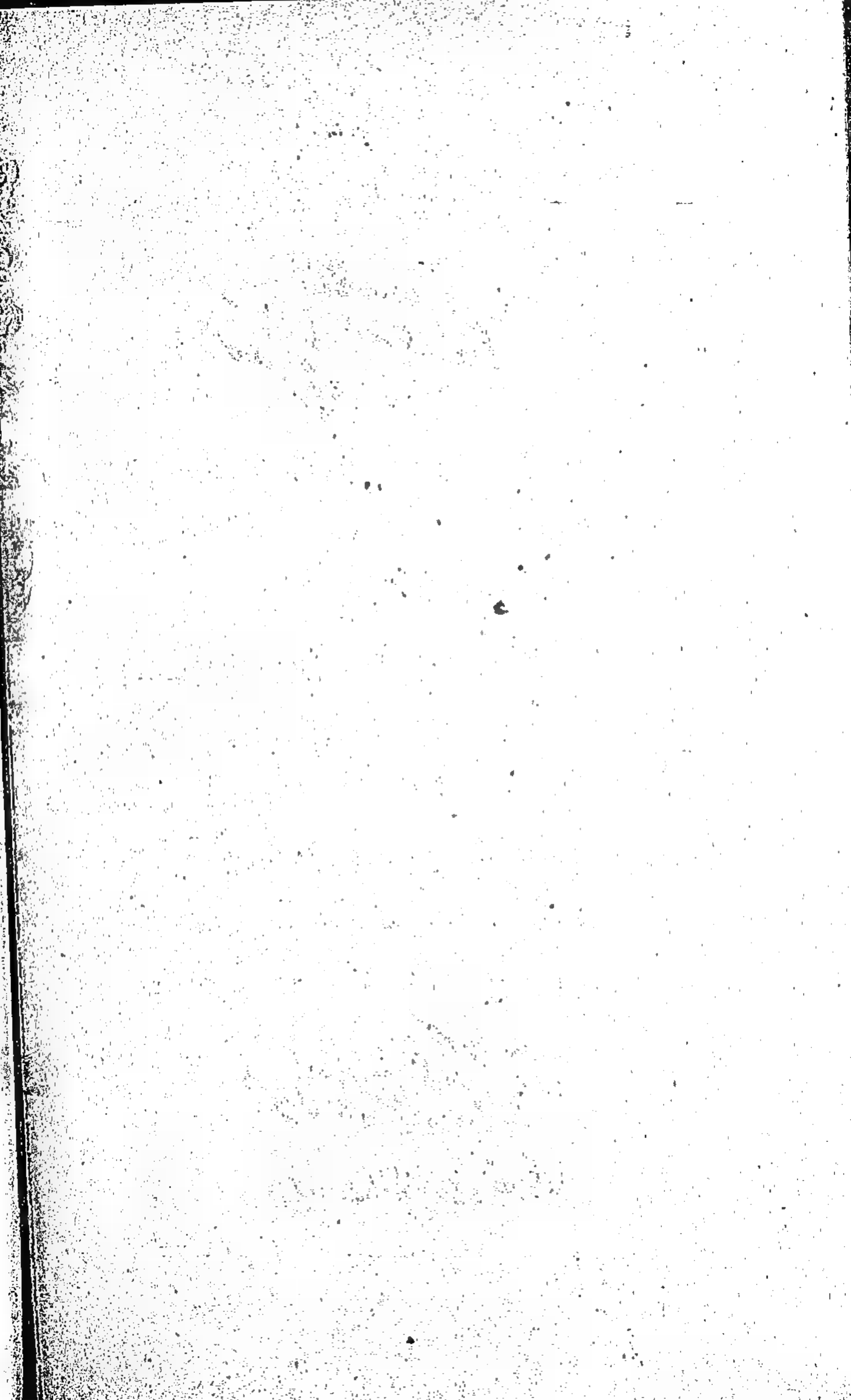
سراپا شفقت

مرحومہ میری رشتہ میں چچی اور پھوپھی تھیں، ان کے صاحبزادہ مولوی ابوالحسن علی صاحب کے ہم عمر اور ہم سبق ہونے کی وجہ سے نیز اس لئے کہ ہم دونوں نے ایک ہی گھر اور عرصہ تک ایک ہی سایۂ عاطفت میں ایک زمانہ گذارا تھا، اور تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا، اور ان کی محبت و شفقت کا لطف اٹھایا۔

مرحومہ سراپا شفقت و رافت تھیں، ان کے مزاج میں ترش روئی نام کو نہ تھی، ہاں "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" کے مظاہر بدرجہ اتم موجود تھے، ورنہ عموماً وہ سب پر شفقت فرماتی تھیں، چہرے کی شگفتگی، زیر لب مسکراہٹ، خندہ پیشانی نرم آواز، ہر طرح کی دلجوئی دل بستگی، ہر کس و ناکس کے کام آنا، رنج و راحت میں شریک ہونا، یہ سب شفقت کے مظاہر اور محبت و رافت کے تقاضے ہیں، اگر یہ تقاضے عاقبت سنوارنے اور انجام بنانے کے لئے ہوں تو یہ خالصۃً للہ ہو جاتے ہیں، امابی کے اندر

یہ سارے تقاضے اور مظاہر اسی لحاظ سے تھے، ان کی نظر ہمیشہ انجام پر رہتی تھی اور اسکا لئے غرباء پر بیکسوں پر یتیموں پر مظلوموں پر خاص عنایت کی نظر رکھتی تھیں، کسی غریب کو دیکھا ترس آیا، پاس بٹھایا سارا حال سنا، دلجوئی کی صبر کی تلقین کی، ضرورت پڑی کھلایا، پلایا اور یا کسی قسم کی مدد کی، بچہ رویا، کان کھڑے ہوگئے، لپکیں، اٹھالیا، قابو میں نہ آیا اس کی ماں کو آواز دی، ڈانٹا ڈپٹا، اس کی بے توجہی پر سرزنش کی، اور اس کی گود میں بٹھادیا۔

یتیم کی مرجھائی ہوئی صورت پر نظر پڑی دل تڑپا، قریب بلایا بہلایا، باتیں کیں اور خوش کیا، مظلوم کو روتے دیکھا، آنکھیں سرخ ہوگئیں، رگیں پھول گئیں، پوچھا پاچھا حقیقت معلوم ہوئی زیادتی کرنے والے کو بلایا،

اس کو شرم دلائی، اللہ کی وعیدیں یاد دلائیں، مکافات کا اقرار کرایا، اور رخصت کیا، مسافر آیا، خبر ہوئی، فوراً کھانے پینے لیٹنے سونے کا انتظام کرایا اور جب سارے انتظامات مکمل ہوگئے تو اطمینان سے بیٹھیں۔

ان کی چونکہ شفقت عام تھی، اس لئے ہر شخص کی بھلائی پیش نظر رہتی اور برابر یہ کوشش رہتی کہ اس کو ایسی باتیں بتانا چاہیئے، جن سے اس کی عاقبت درست ہو، وہ کسی کی بری باتوں پر ہمت افزائی نہ کرتی تھیں، بلکہ نہایت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتیں، غلطی اور جرم پر سخت و سست کہتیں اور نصیحتیں کرتیں، ہمیشہ کہا کرتیں کہ "انھیں کی بھلائی کے لئے ایسا کہتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ کوئی انگلی اٹھائے۔ یا اللہ تو بچالے

کی ناراضگی کا باعث ہو۔ بچیوں کو جمع کرتیں انھیں نماز کی تاکید کرتیں، کلام مجید کی تلاوت کا شوق دلاتیں، چند اہم سورتیں یاد کراتیں، ان کے فضائل بیان کرتیں، پھر جب کبھی لڑکیاں ملتیں تو ان سے دریافت کرتیں، اور جب معلوم ہوتا کہ فلاں لڑکی نے اتنی سورتیں یاد کرلیں ہیں، بڑی خوش ہوتیں، دعائیں دیتیں، اور مختلف قسم کے اوراد و وظائف بتاتیں۔

رہنے سہنے، ملنے جلنے کے طریقے بتاتیں، اچھی صحبت کی تاکید کرتیں۔ اور بری صحبت کو منع کرتیں۔

اسی طرح جب کوئی خاندان کا لڑکا سامنے آجاتا، اس کو بھی اسی طرح کی نصیحتیں فرماتیں۔

باہر سے کوئی عزیز آتا تو بڑی شفقت سے پاس بٹھاتیں، خود پائنتیں بیٹھتیں اور اس کو سرہانے بٹھاتیں خواہ وہ کتنا چھوٹا ہو، اگر وہ نہ مانتا تو سرہانے بیٹھ جاتیں مگر پیر کبھی نہ پھیلاتیں، خواہ ان کو کیسی تکلیف کیوں نہ ہو، پھر مزاج پرسی کرتیں اور تمام ان لوگوں کا حال دریافت کرتیں، جن سے وہ مل کر آیا ہے، یا جن کے ساتھ وہ رہتا ہے بیماری کی باتیں سنکر فوراً دوا بتاتیں (وہ نصف طبیب تھیں) چٹکلوں میں علاج کرتیں، وقتاً فوقتاً مریض کا حال دریافت کرتیں، زمانہ گرمی کا ہو یا جاڑے کا یا موسم ہو برسات کا، ہر حال میں سب کی فکر رکھتیں، کسی کو گرمی لگ رہی ہے تو پنکھا دیتیں جاڑا لگتا ہو تو اوڑھنے کا انتظام کرتیں، بارش ہوئی ہو تو کھلی جگہ جانے نہ دیتیں،

کہیں اگر بجلی کڑک اور اندھیری شب ہے تو سفر نہ کرنے دیتیں، نہ بازار جانے دیتیں ہر وقت خاندان کے بچوں کی فکر، کوئی ننگے پیر تو نہیں، سر پر ٹوپی ہے کہ نہیں، چیخ کر بولتا تو نہیں، جھگڑے تو نہیں کرتا، کسی سے تو تو میں میں تو نہیں کرتا، زیادہ کھیلتا تو نہیں، ماں باپ کا کہنا مانتا ہے کہ نہیں، کسی بڑے سے گستاخی تو نہیں کرتا، غرض بچہ کی ہر حرکت پر نظر رہتی اگر لڑکے بڑے ہیں یا لڑکیاں سیانی ہوگئیں ہیں، تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتیں ان کی غلطیوں پر ٹوکنا، سمجھانا بجھانا، بزرگوں کے واقعات سنانا، کتاب و سنت کی روشنی میں ان کو آداب گفتگو، آداب خورد و نوش، آداب نشست و برخاست بتانا، اور یہ سب نہایت نرم لہجہ میں یہی وجہ ہے کہ ان کی نصیحتیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتیں

ان کی شفقت کا اندازہ لگایئے عمر ۸۰ سے تجاوز کر چکی ہے، انتہائی نقاہت اور کمزوری ہے، آئے دن کوئی نہ کوئی عارضہ بھی لگا رہتا ہے، خود چل پھر بھی نہیں سکتیں سوائے چند قدم کے اور وہ بھی اس طرح کہ چند قدم پر اتنا تکان ہو جائے کہ پھر لیٹے بغیر مفر نہیں، میں دہلی سے وطن (تکیہ کلاں رائے بریلی) پہونچا، اسی دن میں اپنی قریبی عزیزہ والدہ محمد ثانی حسنی کے پاس گیا وہاں تھوڑی دیر بیٹھا تھا کہ دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھائے چلی آرہی ہیں، میں حیران اور شرمندہ میں نے عرض کیا "چچی پھوا" آپ کیوں یہاں تشریف لے آئیں، میں تو خود ابھی آپ کے پاس حاضر ہوتا، فرمانے لگیں "تم نہ جانے کب آتے، مجھے معلوم ہوا کہ تم یہاں بیٹھے ہو تو میرا جی چاہا کہ میں ہی ہو آؤں، اس میں کیا حرج، چلنا پھرنا ہوتا نہیں، معذوری ہو گئی ہوں، ورنہ فوراً آتی"۔ اس شفقت کا کیا ٹھکانہ

ایک دن میری لڑکی (حفصہ سلمہا) سے کہنے لگیں، تم لکھنا نہیں جانتی ہو؟ کہا الحمدللہ لکھ پڑھ لیتی ہوں، فرمایا تو تم مجھے سلام کیوں نہیں لکھتیں، عرض کیا میں تو برابر لکھتی ہوں، غالباً آپ تک کوئی میرا سلام پہونچاتا نہیں، فرمایا اچھا اچھا ٹھیک ہے — تم کو کچھ سورتیں یاد ہیں؟ دیکھو فلاں فلاں سورہ یاد کرلو، ان کے یہ فوائد ہیں، ہمارے پاس آیا کرو ہم انشاء اللہ تمہیں بہت سی باتیں بتائیں گے۔

آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی، مگر چند ہی نفوس ہوں گے جن کو اس کا علم تھا، کبھی اپنی زبان پر شکایت نہ لائی تھیں، اسی دوران میں ایک بیٹی کے مکان کے بعض حصوں کی تعمیر جدید ہوئی، روزانہ دریافت کرتیں، اب کتنا کام ہوا اور کیا باقی ہے، اور ایک دن تو دلجوئی کی خاطر دوسروں کے سہارے اس گھر میں گئیں اور در و دیوار کو ہاتھ سے مس کر کے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

انتقال کے وقت تقریباً ان کی ترانوے سال کی عمر ہوگی کمزوری حد سے زیادہ تجاوز کر چکی تھی، مگر معمولات، اوراد و وظائف میں کوئی کمی نہ آتی تھی، اور شام کو عصر سے پہلے حسب معمول کلام مجید کے منتخب رکوع پڑھ کر نہ جانے کتنے افراد پر جن میں مرد عورت، بچے، بوڑھے سب شامل ہوتے تھے، دم کرتی تھیں، اور تکان کی کبھی شکایت نہ کرتی تھیں، اور دم بھی ایک بار نہیں، کئی کئی بار، دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا، بعض وقت تو ان سے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ دم کر دیجئے مگر وہ کبھی نہ مانتیں اور چلتے بھی آدمی آتے ان پر دم کرتی جاتیں۔

اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگیا جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی شفقت کیسی تھی، اور کس قسم کی تھی۔

ان کے صاحبزادہ جو علی میاں کے عرف سے مشہور ہیں، (اللہ تعالےٰ ان کو زندہ اور تندرست رکھے اور ان سے قوم کو برابر نفع پہونچتا رہے، آمین) بچے تھے نہ جانے انھوں نے کیا کیا کہ ایک خادمہ جو ان کے گھر میں کام کرتی تھی، منہ بنائے ہوئے آئی اور کہنے لگی کہ بی بی دیکھو علی میاں نے میرے بچے کو مارا۔۔۔ سننا تھا کہ تیور بدل گئے، بغیر مزید تحقیق کے اس کے بچے کو بلایا اور کہا "مار علی کو" اس کا ہاتھ نہ اٹھا، ادھر اس کی ماں بڑی خفیف، اس کا منشا یہ نہیں تھا کہ علی میاں مارے جائیں، وہ صرف تادیب چاہتی تھی، علی میاں کہنے لگے "بی بی میں نے مارا نہیں ہے"، "نہیں تم نے ضرور مارا ہوگا، پھر اس کے لڑکے سے کہا "مار، مارتا کیوں نہیں تو ایسا ہی مار جیسا علی نے مارا ہے" جب وہ لڑکا آمادہ نہ ہوا تو اماں بی نے کہا علی اچھا اس سے معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، کہو آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔۔۔ علی میاں خاموش کھڑے ہیں، ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، معافی مانگ رہے ہیں، ادھر اس کی ماں شرم سے عرق عرق، اس کو کبھی ایسا تجربہ کب ہوا ہوگا، اور یہ سارا واقعہ سب اعزہ دیکھ رہے ہیں، جس میں یہ راقم الحروف بھی تھا۔

غریب کی ماں اور بچہ پر شفقت کر کے ان کا دل رکھا، اپنے بچہ پر شفقت کر کے بے راہ روی سے بچایا۔۔۔ دونوں کے لئے سبق، ایسے نہ جانے کتنے واقعات ہوتے رہتے تھے، اور ان کا یہی دستور رہتا کہ جس کی غلطی دیکھی تنبیہ کی خواہ اپنا بیٹا ہو یا بیٹی، قریبی عزیز ہو یا

دور کا ہمیشہ حق کہنا، عدل و انصاف کرنا اور سب سے محبت و شفقت سے پیش آنا

شفقت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی غلطیوں پر بے جا غصہ کا اظہار نہ کرے، نرم خوئی سے پیش آئے، چنانچہ ان کا حال یہ تھا کہ جہاں دوسرے فاش غلطی سے بپھر جائیں یا آگ بگولہ ہو جائیں، وہاں وہ سلامتی کی راہ نہ چھوڑتیں، اونچ نیچ سے آگاہ کرتیں، اللہ و رسول کا واسطہ ولاتیں، اور کام کی باتیں کرتیں کہ سانپ مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

ان کی شفقت کے آداب جب یاد آتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں بھی اللہ تعالےٰ نے کیسے کیسے آدمی پیدا کئے۔

ذرا آپ ملاحظہ فرمائیں، آخری ایام عمر کے ہیں، پیاس معلوم ہو رہی ہے، خود چل نہیں سکتیں، مگر کسی سے اپنی ضرورت کہنے کو تیار نہیں، کوئی لڑکی سامنے پڑ گئی اور اس کی آہٹ ملی، تو پوچھا کون؟ کہا فلاں؟ اچھا اس نے کہا کوئی ضرورت کہا نہیں، کہا فرمایئے کہا (عائشہ) کو ذرا بلا دو ـــــ پانی تو نہ چاہیئے؟ اب تم کہاں تکلیف کرو گی، لڑکی لپکی اور پانی قریب میں تھا لا کر دیا، اب پانی پیتی جاتی ہیں، اور دعائیں دیئے چلی جا رہی ہیں، بڑی تکلیف ہوئی، اللہ تمہیں خوش کرے، دیر سے پیاس لگ رہی تھی، تم نے بڑا کام کیا، خوش رہو، اللہ کی مرضی حاصل ہو۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے ان کی جتنی خدمت کی وہ قابل صدر شک مگر وہ کچھ ایسی خود دار بھی تھیں کہ حتی الامکان کسی اور سے کچھ کہتی بھی نہ تھیں، ایک موقعہ پر آرام کے

وقت انھیں محسوس ہوا کہ کوئی پیر داب رہا ہے، پوچھا کون؟ امۃ اللہ تسنیم صاحب
"میں" دوسرا ہاتھ کس کا ہے؟ بولیں "رابعہ" کہنے لگیں، ارے تم کیوں داب رہی ہو
بس کافی ہے، ایسا درد نہیں، بس، بس، بڑی مشکل سے یہ سعادت تھوڑی دیر کو نصیب
اگر ایسے واقعات قلمبند کئے جائیں، تو کتاب ہو جائے جو مطلوب نہیں،
بات یہ ہے کہ شفقت کے ان میں وہ مظاہر دیکھے کہ جن سے اللہ کی یاد تازہ ہو جا
اللہ انھیں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

والدہ صاحبہ مرحومہ کے انتقال کے بعد برائے تعزیت آنے والوں کے علاوہ جن کی تعداد بکثرت تھی تقریباً ساڑھے تین سو اور پونے چار سو تعزیتی خطوط آئے ان خطوط میں صرف چند خطوط نمونتاً دیئے جا رہے ہیں، جو مشہور دینی شخصیتوں اور اہل قلم حضرات کے ہیں۔

لکھنے والے

۱۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث	سہارنپور
۲۔ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی	بھوپال
۳۔ مولانا عبدالباری صاحب ندوی	لکھنؤ
۴۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی	بارہ بنکی
۵۔ مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی	دہلی
۶۔ مولانا انعام الحق صاحب کاندھلوی	دہلی
۷۔ سید عبدالرب صاحب صوفی	اناؤ
۸۔ امیر شریعت بہار مولانا منت اللہ صاحب رحمانی	مونگیر (بہار)
۹۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	کراچی
۱۰۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری	کراچی
۱۱۔ میاں طفیل محمد صاحب	لاہور
۱۲۔ جناب تخلص بھوپالی	بھوپال
۱۳۔ رشید احمد صاحب صدیقی	علی گڑھ

مکتوب

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی

مکرم محترم مدفیوضکم! بعد سلام مسنون، اسی وقت مولوی نصیر صاحب نے اخبار الجمعیتہ میرے پاس ایک شخص کے ہاتھ بھیجا کر یہ چند سطور مجھے سنا دیں اس میں حادثہ جانکاہ کی اطلاع تھی، اس سے بہت ہی زیادہ رنج و قلق ہوا، فکر تو کئی دن سے مولوی معین اللہ صاحب کے خط سے سوار تھی، انھوں نے لکھا تھا کہ والدہ محترمہ مرحومہ کی شدت علالت کا تار آپ کو بھوپال دیا گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ للّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی وکل شیٔ عندہٗ الی اجل مسمّٰی۔ اللہ جل شانہٗ درجات عالیہ نصیب فرمائے پسماندگان کو بالخصوص آپ کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرماوے مرحومہ کیلئے تو آپ جیسا خلف صدق صدقہ جاریہ ہونے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہے احباب سے دعاء مغفرت و ایصال ثواب کی تاکید کر دی اور یہ ناکارہ تو انشاء اللہ آج ہی رات کو قرآن ختم کرنے والا ہے ▪ والدہ مرحومہ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کر چکا ہے گھر کی بچیوں کو بہت تاکید کر دی ہے ان بچیوں کو اللہ بہت ہی جزائے خیر دے کہ انکے یہاں مخصوص اکابر و اعزا کیلئے ختم قرآن اور ختم کلمہ طیبہ کا بہت ہی اہتمام ہو جاتا ہے جملہ اعزار کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد تعزیت کا مضمون پیش کر دیں عزیز محمد ثانی موجود ہوں تو ان سے بھی اور ہمشیرہ و اہلیہ سے بھی سلام مسنون۔

(۷ رجب ۱۳۸۶ھ)

مکتوب

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی (بھوپال)

والا تبار جناب مکرم و معظم جناب مولوی سید ابو الحسن علی میاں صاحب ادام اللہ برکاتہ علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ———— خبر وحشت اثر جانکاہ معلوم

ہوتے ہی اس ناکارہ معصیت آلودہ غفلت شعار نے فی الفور خط روانہ کیا تھا،

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خط نہیں پہونچا جناب والا صفات مولوی قاری

حافظ محمد عمران خاں صاحب تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت عاصی کا ارادہ

ان کے ہمراہ حاضر ہونے کا ہو گیا تھا اس کے بعد یہ جذبہ بہت بڑھا مگر بعض

عوارض اور مجبوریوں نے مانع رکھا حضرتہ محترمہ انشاء اللہ تعالیٰ بفضل منان و

کرم الٰہی اللہ جل شانہ کے دربار میں اس حیات و عزت و عیش ابدی میں شامل

ہوئی ہوں گی اس کے بعد لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین

حضرتہ فردوس مکان کے برکات بفضل منان جاری و ساری انشاء اللہ رہیں گے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرات پسماندگان و وابستگان و مخلصان اور یہ عاجز دور افتادہ معصیت

آلودہ اور اس کا تمام گھر جو چیز ہم پر واجب اور ضروری ہے اور ہماری ترقی کا باعث

ہے یعنی دعائے رحمت و برکت و مغفرت میں مشغول ہو کر اپنی صلاح و بہبودی پیدا کر رہے ہیں ؎

عطر کی مٹی میں بھی مل کر مہک جاتی نہیں
توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں

عاجز دور افتادہ معصیت آلودہ پر اس وقت بہت افسوس ہے کہ حاضر نہ ہو سکا اور اس سعادت سے محروم رہا۔ فقط

محمد یعقوب مجددی

۸ ستمبر ۱۹۶۹ء — خانقاہ مجددیہ پیر دروازہ بھوپال

مکتوب

مولانا عبدالباری صاحب ندوی

(سابق استاذ فلسفہ و دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد)

برادر جلیل القدر، علیکم صلوٰت من ربکم و رحمۃ

آپ کی حضرت والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کی اخبار سے خبر وفات پائے ہوئے تین دن ہو چکے اصل میں تو خود ہی حاضر ہونا تھا، لیکن اپنی معذوریوں کی وجہ سے نیم حاضری میں بھی اتنی دیر ہو گئی ہیں تو عموماً خود خدا کی فرمائی ہوئی اور سکھلائی ہوئی تعزیت، بشّر الصّابرین الذین۔تا۔انا للہ وانا الیہ راجعون کی کچھ تفصیل سے کر دیا کرتا ہوں، لیکن آپ جیسے ماشاء اللہ صاحب ایمان وصلاح کے لئے کسی تفصیل کی بھی ضرورت نہیں، پھر آپ کی والدہ محترمہ مرحومہ خود جیسی مومنہ صالحہ بلکہ ولیّہ تھیں اور اخبار سے معلوم ہوا کہ حافظ بھی تھیں انشاء اللہ ایسی صاحبۂ احوال مومنہ اپنے مالک و مولا کے پاس پہونچ کر ہر طرح اس کی نوازشوں اور رحمتوں سے مالامال ہو رہی ہوں گی، اللھم زد فزد۔ پھر بھی عارضی مفارقت کا الیھم راجعون کے باوجود ایک طبعی رنج و غم تو ہوتا ہی ہے، اس کے باوجود صبر کتنی بڑی بشارت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ پس ماندگان پر اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم و رحمۃ کی بارش ہو رہی ہوگی۔

بدوی کا وہ شعر بھی یاد آگیا جس سے زیادہ حضرت عبداللہ بن عباس کو کسی کی تعزیت نے تسلی نہیں دی تھی۔

خیر من العباس اجرک بعدہ
واللہ خیر منک للعباس

عبدالباری غفرلہ

مکتوب

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم السلام علیکم!

مبارک ہے وہ ماں جو ایسی خادم دین وملت اولاد جنے۔

مبارک ہے وہ اولاد جسے ایسی مومنہ صالحہ کی خدمت کی سعادت استنے
دن تک نصیب ہے۔

رحمن ورحیم کی شفقت ورحمت کا پرتو اگر دنیا میں کہیں نظر آسکتا ہے،
تو ماں ہی کی ذات میں۔

سن کچھ بھی ہو جائے جب تک ماں زندہ ہے لڑکا لڑکا ہی بنا رہتا ہے اپنے
سن کا احساس تو اس سایہ سے محرومی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

بہر حال اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ کو توفیق صبر جمیل کے
سلسلہ میں کچھ لکھنا لکھانا لقمان کو حکمت کا سبق دینا ہے۔

ہمارے ہاں کی لڑکیاں بھی مرحومہ کے نام اور کام سے خوب مانوس تھیں اور گھر میں
تو ان کی زیارت بھی کر چکی تھیں رنج وغم میں وہ سب شریک ہیں۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

۲/۹/۶۸ء

مکتوب

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

صدر مجلس مشاورت (ہند)

حضرت مولانا مدظلہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۳۱ راگست سے مسلسل سفروں پر رہا پرسوں شام واپسی ہوئی ہے امیر انار مل گیا ہوگا، حضرت مخدومہ والدہ صاحبہ کا حادثۂ رحلت پوری ملت کا حادثہ ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ مدت مدید سے علیل تھیں اور پیرانہ سالی کے اثرات بھی قدرتی تھے، مگر یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس قدر جلد سفر آخرت طے کرنے والی ہیں، دہلی آپ کی تشریف آوری بھی اس کی علامت تھی، میری دلی تمنا تھی کہ مرحومہ کی حیات مبارک میں رائے بریلی کی حاضری ہوتی مرحومہ کے غیر معمولی کمالات اور خصائل حمیدہ مشہور و معروف ہیں ان کا شمار دنیائے اسلام کی منتخب برگزیدہ خواتین میں ہوتا تھا، پیکر علم و عمل اور مجسمۂ تقوی و طہارت، صد افسوس آپ ایسے بابرکت سایہ سے محروم ہوگئے، ماں بیٹے کا تعلق یوں بھی بے مثال سمجھا جاتا ہے مگر آپ کا تو معاملہ ہی دوسرا تھا مرحومہ آپ کے لئے ماں بھی تھیں اور شفیق باپ بھی انکی پاک مقدس اور اعلیٰ درجہ کی تربیت نے بیٹے کو اس مقام پر پہونچا دیا ہزار ہزار رحمتیں ہوں ایسی تربیت دینے والی اور بیٹے کی پرچھائیں پر قربان ہونے والی ماں پر۔

اس سانحۂ المناک پر آپ کا قلب جس قدر افسردہ و غمگین ہوگا، اس کا ہم لوگوں کو جن کو آپ سے شرف تقرب حاصل ہے، پوری طرح اندازہ ہے، اللہ تعالٰے آپ کو دولت صبر و رضا سے نوازیں۔

اصبر نکن صابرین فانما — صبر الرعیۃ عند صبر الرأس

خیر من العباس اجرک بعدہ — واللہ خیر منک للعباس

عتیق الرحمٰن عثمانی
۱ر ستمبر ۱۹۶۸ء

مکتوب

مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی

بستی حضرت نظام الدین دہلی

مخدوم مکرم معظم محترم مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اخبار الجمعیۃ کے حوالہ سے والدہ محترمہ کے حادثہ فاجعہ کی اطلاع سے صدمہ پہونچا اللہ جل شانہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے۔

پرانی ہستیاں اٹھتی چلی جارہی ہیں اللہ جل شانہ پورے عالم پر رحم فرمائے، ایک قرآن پاک پڑھوا کر ایصال ثواب کر دیا گیا ہے ہم بھی دعاؤں کے محتاج ہیں اور درخواست کرتے ہیں معلوم نہیں آپ بھوپال سے پہونچ گئے تھے یا آپ بھوپال ہی تھے، پرسان حال کی خدمت میں سلام عرض فرمادیں۔

ہمارے گھر والوں کو بہت ہی صدمہ ہوا اور یہ قلق ہوا کہ زیارت نہ ہو سکی، کہتی ہیں کہ ہمیں بڑی آرزو تھی اور امید تھی کہ ملاقات ہو ہی جائے گی۔

محمد انعام الحسن عفی عنہ

مکتوب

سید عبدالرب صاحب صوفی

باسمہ سبحانہ۔ مکرم و محترم بندہ جناب مولانا علی میاں صاحب زیدت معالیکم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج یکم ستمبر ۶۸ء کو ابھی ۸ بجے صبح طارق میاں

اخبار قائد مورخہ ۲۰ ستمبر لائے اور آپ کی والدہ ماجدہ وقت کی رابعہ بصریہ کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر سنائی یہ سفر تو ہر ایک کو در پیش ہے لیکن ہر گزرنے والا اپنے پسماندگان کیلئے مختلف اثرات چھوڑ جاتا ہے، مرحومہ کی موت نے ان کو تو "باب رحمت" سے روح وریحان و جنت نعیم میں پہونچا دیا اور ابدی سکون و راحت اور عیش و عشرت کے انعامات و اکرامات نصیب فرمادے لیکن پسماندگان یقیناً ایک مخصوص رحمت، دعا و برکت سے محروم ہوگئے مجھکو اس کا قلق ہے کہ آپ کیلئے غائب و حاضر ہر حال میں دعا کیلئے مامتا کے اخلاص کے ساتھ ہاتھ پھیلانے والا اب اس دنیا میں اس درجہ کا کوئی نہیں رہا ان کا مزار مبارک تھوڑے ہی فاصلہ پر ہوگا جہاں پہونچکر اور ایصال ثواب اور زیارت قبر کر کے ضرور کسی درجہ کا سکون پاسکتے ہیں لیکن اب وہ بات کہاں کہ آپ ملک یا بیرون ملک میں سفر پر ہوں اور آپ کی سلامتی، راحت، عزت اور رفع درجات کیلئے مزاولت کے ساتھ مقبول دعائیں ہو رہی ہوں اور آپ کو پاکر جس لہک اور مامتا سے مادر مرحومہ کا دل امنڈتا تھا اب وہ جذبۂ صادقہ دنیا میں کہیں میسر نہیں آسکتا وہ تو اس دل کے ساتھ پیوند خاک ہو چکا، علی میاں کی دوری سے بیتاب ہونے والے اب بھی خدا رکھے

الحمدللہ بہتیرے موجود ہیں، لیکن وہ آہ، وہ آنسو، وہ خلش، وہ سوزش کہاں، عزیزی مولانا سید محمد ثانی سلمہٗ، اور دوسرے اہل سعادت اب بھی اہل دعا موجود ہیں۔ اللھم زد فزد۔
لیکن باب رحمت پر ہاتھ پھیلانے والی کنج لحد میں جا سوئی، آپ بالغ ہی نہیں ضعیف العمر بھی ہو چکے، اور آپ پر لفظ بسیر کا اطلاق موزوں نظر نہیں آتا، لیکن آپ کی پیاری اماں جان رحمۃ اللہ علیہا آپ کو اب بھی طفل ناتواں کی طرح پالتی تھیں اور ان کو اب بھی علی کے منہ سے دودھ ہی ٹپکتا نظر آتا تھا اور خود آپ کے جذبات کا بھی یہی عالم تھا جیسا اس خوردسال بچہ کا ہوتا ہے جو ہر اذیت ہر کلفت ہر ناگواری اور ہر ضرورت پر آغوش مادر کی پناہ گاہ کی طرف بھاگتا ہے، اس حال میں آپ اپنے والد ماجد اور برادر معظم کے سایوں سے محروم ہو کر بھی ایسے خستہ حال نہ ہوئے ہوں گے جیسی خستگی اور درماندگی اب محسوس کرتے ہوں گے بیشک آپ اس وقت دلجوئی اور ہمدردی کے مستحق ہیں اور میں اور میری اہلیہ آپ کے اس نقصان عظیم اور صدمہ بے کراں اور غم بے پایاں میں آپ کے شریک حال ہیں، تلقین صبر کے ساتھ بیش از بیش دعاؤں سے حق خدمت ادا کرتا ہوں اور مرحومہ کے لئے ایصال ثواب اور رحمت و مغفرت قرب و رضا اور مقصد صدق مخصوص کی دعا کرتا ہوں اندر اندر خود بھی یہ اثر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس نقصان کا صدمہ پہونچا ہے اور میری جیب سے بھی ایک متاع گرانبہا ضائع ہوئی ہے اللہ تعالیٰ آپکے خاندان میں کہ ایں خانہ تمام آفتاب اس رابعہ بصریہ کی مثالیں پیدا کر کے اس نقصان کی تلافی فرمائیں کہ ایک چراغ کے بعد دوسرے روشن ہوتے رہیں اور یہ سلسلہ ختم نہ ہو آمین ثم آمین

شریک غم دعاگو عبدالرب صوفی
۲۷ بدھواری اناؤ یکم ۹/۶۸ ء یکشنبہ

مکتوب

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی

امیر شریعت بہار واڑیسہ خانقاہ رحمانی مونگیر

مکرم ومحترم زید مجدکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ موصول ہوا ابھی دلی میں جناب سے ملاقات ہوئی تھی والدہ مرحومہ کی علالت کا بھی کوئی ذکر نہ آیا کہ اچانک اس خط کے ذریعہ حادثۂ ارتحال کی خبر ملی انا للہ وانا الیہ راجعون یقیناً اس رحمت کے سایہ کا اٹھ جانا بڑا حادثہ ہے مگر رضا بالقضا وظیفہ عبودیت ہے اور استرجاع تعلیم نبوت۔

اعظم اللہ اجرکم واحسن عزاءکم وغفر میتکم

یہ بات باعث طمانیت ہے کہ والدہ مرحومہ نے اپنی آنکھوں سے دین کے کاموں اور رضاء الٰہی کے اعمال میں مصروف ومشغول دیکھا۔

یہاں ہم لوگوں نے تین دنوں تک والدہ مرحومہ کے لئے ختم قرآن اور ایصال ثواب کیا ہے، خدا قبول فرمائے۔

والسلام

منت اللہ

۱۲/۹/۶۸

مکتوب

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر دارالعلوم کراچی

کرم فرمائے محترم حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ، گرامی نامہ سے والدہ ماجدہ کی وفات کا علم ہو کر صدمہ پہونچا والدہ کا سایۂ شفقت سبھی کے لئے نعمت عظمیٰ ہے خصوصاً اہل علم جو حدیث "ان کی زیارت حج و عمرہ کے برابر" پڑھتے ہیں، ان کو اس کا احساس بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے یہ ناکارہ بھی چند سال پہلے اس منزل سے گذرا ہے اور آج تک والدہ کی شفقتیں اور ان کی خدمت و زیارت سے حاصل ہونے والی سعادت سے محرومی کا قلق دل سے نہیں جاتا، انشاء اللہ کل دارالعلوم میں ختم قرآن کرا کر ایصال ثواب کراؤنگا اللہ تعالےٰ مرحومہ کو مغفرت ظاہرہ و باطنہ سے سرفراز فرمائیں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

انا للہ ما اعطی ولہ ما اخذ وان حق اللہ عوضاً من کل فائت وانما المحروم من حرم الثواب آپ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے،

والسلام محمد شفیع عفا عنہ

۱۹/۶/۸۸ھ

مکتوب

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

گرامی مآثر و گراں مفاخر صاحب الآثار المغتبط مولانا ابوالحسن صاحب

احسن اللہ الیھم واجزل لھم الاجر فی مصابھم العظیم آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل پرسوں یہ معلوم ہو کر صدمہ ہوا کہ والدہ ماجدہ محترمہ و معظمہ واصل بحق ہوئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ الی اجل مسمی، حق تعالیٰ مرحومہ کو اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے نوازے اور جنت الفردوس نصیب فرما کر سرفراز فرمائے اور حق تعالےٰ آپ کو اور تمام متعلقین کو اجر جزیل اور صبر جمیل عطا فرمائے آمین سب ہی کو جانا ہے اور جانے کے لئے آیا ہے لیکن والدہ کی دعاؤں کی برکتوں سے محرومی اور ان کی خدمت کی سعادت سے حرمان بڑا صدمہ ہے" وفی اللہ عزاء من کل ھالک" صدمہ طبعی ہے اور اس لئے صدمہ کے مطابق اجر و ثواب ملتا ہے بہر حال آپ نے اللہ تعالیٰ کی امانت اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دی اور طویل عرصہ خدمت و دعوات کے ثمرات سے فائدہ اٹھایا اس کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا مجھے تو یہ معلوم نہ تھا کہ والدہ محترمہ کا ظل عاطفت آپ کو اب تک نصیب ہے والد محترم کا

سایہ اللہ تعالیٰ نے اگر جلدی اٹھایا تو والدہ محترمہ کا تادیر زندہ سلامت رکھ کر احسان عظیم فرمایا ۔۔۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وفات کے بعد بھی روحانی سایہ سے مالامال فرماتا رہے۔ آمین۔

ومامات من خلف مثلکم
فلم تمت ھی حیث خلفت مثلکم

محمد یوسف بنوری
۷ ستمبر ۶۸ء

مکتوب

میاں طفیل محمد صاحب

امیر جماعت اسلامی پاکستان

محترمی و مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کل "الشہاب" بیروت کے ذریعہ آپ کی والدہ محترمہ کے انتقال کی اطلاع پا کر سخت افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اور آپ اور دوسرے تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہاں میرے تمام رفقا بھی اس سانحہ میں آپ سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، اور والدہ مرحومہ کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

خاکسار

طفیل محمد

مکتوب

جناب تخلص بھوپالی صاحب

محترمی سلام مسنون!

آج مقامی اخباروں میں والدہ صاحبہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر از حد رنج ہوا اس حادثہ عظیم کے بعد ظاہر ہے کہ آپ کی ذہنی اور دماغی الجھنوں میں اضافہ ہوا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس صدمۂ عظیم کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

یہ ماں ہی کی دعائیں تھیں کہ بیرون ملک میں آپ کو ایک عالم دین کی حیثیت سے اور اندرون ملک ایک معتبر رہبر، مخلص رہنما اور ایک عظیم مفکر کے روپ میں پیش کیا اور اب اپنا کام ختم کر کے اپنے اس کارنامہ کا صلہ لینے کے لئے جنت الفردوس تشریف لے گئیں، ماں کبھی مرتی نہیں ہے چلی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مرنے والے کو لوگ بھول جاتے ہیں البتہ جانے والے کو ہمیشہ اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں۔

ہزار سلام ان ماؤں پر جن کے بطن سے انسان پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں سلام اس ماں پر جس نے انسان کو مومن بنا کر اپنا فرض پورا کیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور دیگر اعزا کو صبر عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کے غم میں شریک

خادم تخلص بھوپالی

۶۸/۹/۳

مکتوب

پروفیسر رشید احمد صدیقی

ذاکر باغ یونیورسٹی علی گڑھ

مخدوم و محترم ۔ سلام مسنون

نیاز کے خط سے آپ کی والدہ معظمہ کی رحلت کی خبر ملی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ۔ آمین ۔ جو کچھ لکھتا وہ ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے اس لئے کہ اقبال کی لازوال نظم والدہ مرحومہ کی یاد میں، ذہن میں متلاطم اور زبان پر رواں ہو جاتی ہے، اقبال نے اپنی ماں کو جسطرح ہر شخص کی ماں بنا دیا ہے وہ شاعر اور شاعری دونوں کی معراج ہے چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ آپ اسے اور پڑھ لیں ۔

اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر رہے ۔ آمین

مخلص رشید احمد صدیقی

۳/۹/۶۸ء

ذیل کے اشعار اس طویل نظم کا ایک حصہ ہے جو ہمارے مخدوم و محترم
جناب صوفی سید عبدالرب صاحب ایم۔ اے صوفی نے والدہ صاحبہ مرحومہ
کے ارتحال پر اپنے جذبات محبت و عقیدت کے اظہار اور ان کی اولاد اور افراد
خاندان کی تسلی و تسکین اور دینی موعظت و عبرت کے لئے قلم برداشتہ لکھی تھی
نظم ایک سو اسی اشعار پر مشتمل ہے، یہاں پر اس نظم کا صرف وہ حصہ پیش کیا جارہا ہے
جو عام طور پر پڑھنے والوں اور پڑھنے والیوں کیلئے مفید اور سبق آموز ہے

سفرِ آخرت

خوشا وہ بقعۂ نورِ اولیاء اللہ کا تکیہ	زہے وہ سرزمیں وہ شاہ علم اللہ کا تکیہ
وہ تکیہ ہے کواکب اور مہر و ماہ کا تکیہ	وہ قبرستان ہے مردانِ حق آگاہ کا تکیہ

وہاں زیرِ زمیں انوار کے صدہا خزینے ہیں
وہاں مسجد سے تا دریا بڑے پرنور زینے ہیں

معطر ذکرِ حق سے جس کی صدیوں سے فضائیں ہیں	مہکتی جس کی انفاس معنبر سے ہوائیں ہیں
مقابر سے جہاں مسموع اب تک وہ صدائیں ہیں	کہ جن میں کچھ تلاوت کچھ انابت کچھ دعائیں ہیں

یہیں زیرِ زمیں خوابیدہ ہیں خیر النساء بہتر
ہیں اپنی قبر میں بھی مہبطِ نور و ضیا بہتر

مجھے اس دین پرور خانوادہ سے محبت ہے	یہی اللہ والوں کی محبت میری دولت ہے
اسی پر منحصر انعام توفیقِ سعادت ہے	جو وجہ اتباعِ دین و تعمیلِ شریعت ہے

اسی نے اہلِ دل کو مرتبہ قرب و رضا بخشا
اسی نسبت نے بی بی کو مقامِ اصطفا بخشا

سہانی رات گہری نیند میں جب ڈوب جاتی ہے — فضائے مسجد ساعت میں جو مشہور زما
ہوا جب جاگ کر یا ہو کا نغمہ گنگناتی ہے — تو اس قبہ سے پیہم ذکر کی آواز آتی ہے

صدائے ذکر ہے مسموع کوئی راز ہے ہمدم
یہاں ہر قبر میں زندہ شہید ناز ہے ہمدم

محبت سے وہ بچوں بچیوں کو پاس بٹھلاتیں — بڑی شفقت سے مسنونہ دعائیں انکو سکھلاتیں
بڑے اخلاق سے اخلاق کی تعلیم فرماتیں — ادب، تمیز، تہذیب و تمدن ان کو سمجھاتیں

وہ ان کو روزمرہ کے مسائل کا سبق دیتیں
رذائل دور فرماتیں، فضائل کا سبق دیتیں

اصاغر دور سے آتے تو ان کو دیکھنے جاتیں — بڑی دل جوئیاں کرتیں، تواضع خوب فرماتیں
پھر ان پر اپنی شیریں گفتگو کے پھول برساتیں — نہایت دل نشیں انداز میں نکتے وہ سمجھاتیں

کہ دل میں اس طرح محبوبیت حق کی اتر جاتی
ہمیشہ کے لئے حقانیت گھر دل میں کر جاتی

کبھی بی بی سکھاتی تھیں سلیقے گھر چلانے کے — کبھی سینے پرونے کے کبھی کھانے پکانے کے
بتاتیں ڈھب کبھی اولاد کو مومن بنانے کے — کیا کرتی تھیں باطل نطق سے افسوں زمانے کے

جو ہوتی موجزن دل میں معارف کی فراوانی
تو ہو جاتے تھے ثبت اوراق پر نغمات ایمانی

ھر شوقِ لقا سے مست رکردش ان کا عموماً کاروبارِ شاعری ہے ایک فن ان کا

اہگ اشعر ہیں یہ فن نہیں ہے مطلقاً ان کا مگر ہوتا ہے جب جوشِ تکلم موجزن ان کا

معارف کا دلِ صافی سے فوارہ ابلتا ہے

تو پھر ملفوظ موزوں شعر بن کر نکلتا ہے

ہیں ہوتے وہ شاعر شعر ہوتا ہے کلام انکا سرور انگیز ورقت خیز ہوتا ہے کلام ان کا

ہی مے کش ہے جو بڑھ کر اٹھالے ایک جام ان کا وہی ہے عارفِ میخانہ جو سمجھے مقام ان کا

سراپا زندگی وہ ہیں کہ دن ان کا ہے رات انکی

کہ وہ اللہ کے ہیں، اور ساری کائنات ان کی

عا و ذکر یا تعلیم و تلقین تھا کلام ان کا رضا جوئی تقرب خواہی مولیٰ تھا کام ان کا

راپا خیر تھیں، خیر النساء موزوں تھا نام انکا ہوئیں جنت نشیں اعلیٰ و ارفع ہے مقام ان کا

نہیں ہے یادگارِ واقعی، خالی مکاں ان کی

کریں اے کاش سچی جانشینی بیٹیاں ان کی

رے در سے ترا سائل کبھی خالی نہیں جاتا نہیں، ظرفِ طلب سے کم کوئی طالب نہیں پاتا

ہیں، ذوقِ طلب بھی خود ہے وہ تخلیق فرماتا عطا کرتا ہے وہ جو وہمِ انساں میں نہیں آتا

علی کو قربِ خاص الخاص اپنا مرحمت کر دے

تمنا سے زیادہ ان کو عالی مرتبت کر دے

چلے جاتے تھے ان کے پاس اپنا مدعا لے کر چلے آتے تھے خوش مطمئن ان کی دعا لے کر
وہ رکھ دیتی تھیں سر پر ہاتھ جب نام خدا لے کر تو اٹھتے تھے سکینہ کی متاع بے بہا لے کر

کہاں جائیں گے ہم جب کوئی مشکل پیش آ جائے گی
کمر اب کون باندھے گا جو منزل پیش آ جائے گی

دعا ذوق تذلل ہے دعا اظہار حاجت ہے دعا اللہ کی نصرت، دعا بندے کی طاقت
دعا ردِّ بلا، ردِّ قضا، مفتاح رحمت ہے دعا جان اطاعت ہے دعا مغز عبادت

زہے بندہ جسے آ جائے مولیٰ سے دعا کرنا
جسے آ جائے خود ابواب رحمت بڑھ کے وا کرنا

بس اب تو بھی اٹھا بہر دعا دستِ دعا اپنا کہ ہے صوفی دعا کرنا پیا لے مدعا اپنا
ولیہ کو خدا بخشے مقام اصطفےٰ اپنا سبھی پسماندگاں پر فضل فرمائے خدا اپنا

مرے دامن کو بھی گل ہائے رحمت سے خدا بھر دے
مرادیں صوفی محتاج کی پوری خدا کر دے

یعنی

سیدہ خیر النساء صاحبہ بہتر مرحومہ (بنت حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات زندگی ان کی تعلیمی و تربیتی خصوصیات، ذکر و عبادت، دعا و مناجات کے شوق و انہماک کے واقعات، جو عورتوں، مردوں، بچیوں اور بچوں سب کے لئے یکساں مفید اور سبق آموز ہیں۔

مرتبہ

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ناشر: فضل ربی ندوی — فون: 611817

مجلس نشریات اسلام
ناظم آباد مینشن، ۱/۲/۳ ناظم آباد ٹاؤن
کراچی ۱۸